اے بی سی آڈٹ بیورو آف سرکولیشن کی مصدقہ اشاعت

ماہنامہ

الحق

اکوڑہ خٹک

جلد ۲۶
شمارہ ۱۱

صفر المظفر: ۱۴۱۲ھ
اگست: ۱۹۹۱ء

بانی
حضرت مولانا عبدالحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ
مدیر معاون: عبدالقیوم حقانی

مدیر
حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ العالی
ناظم: شفیق فاروقی

فون نمبر ڈائریکٹ ڈائلنگ سسٹم ۳۴۰ / ۳۴۱ / ۴۳۵ کوڈ نمبر ۰۵۲۴۹

اس شمارے کے مضامین

پاکستان میں سالانہ -/۵۰ روپے فی پرچہ -/۵ روپے بیرون ملک بحری ڈاک -/۸ پونڈ بیرون ملک ہوائی ڈاک -/۱۲ پونڈ
سمیع الحق استاذ دار العلوم حقانیہ نے منظور عام پریس پشاور سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ "الحق" دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

میخائل گورباچوف
ایک ڈرامائی معرکۂ اقتدار اور واردات کا نیا انداز

گذشتہ دنوں روس کے صدر میخائل گورباچوف کے ساتھ ہونیوالے ڈرامائی معرکۂ اقتدار اور اس کے نتیجے میں پیش آ
والی تازہ ترین صورتحال نے پوری دنیا کو حیران و ششدر کر دیا ہے، مگر مسلمانوں کیلئے اس میں اچنبھے کی کوئی بات نہیں ح
اور انقلابات اپنی تمامتر کیفیات کے ساتھ ربّ قدیر کے ہاتھ میں ہیں۔ دنیا کی سُپر پاورز، سربراہان مملکت اور حاکمانِ وق
اپنے اپنے نقشے مرتب کرتے ہیں مگر نقّاشِ ازل اور کاتبِ تقدیر اپنے نقشے تشکیل دیتا ہے۔

کائنات کا ارتقاء اور اقوام و ملل کی تاریخ شاہد ہے کہ حاوی نقشہ وہی ہوتا ہے جو کاتبِ تقدیر کا قلم بناتا
اور فیصلے بھی وہی نافذ ہوتے ہیں جو عرش پر کیے جاتے ہیں۔

ظلم و بربریت، درندگی و بہیمیت اور بدترین فسطائیت کے علمبردار نظام کمیونزم کی مضبوط اور مستحکم عمارت آ
دھڑام سے آگری ہے۔ بظاہر روس کی فولادی قوت، نظریاتی پختگی اور سیاسی عظمت تاراج ہو گئی ہے۔ جہا
کا پردہ چاک ہوا چاہتا ہے کہ مغرب سمیت پوری دنیا کو چیلنج کرنے والے خود اپنے فرسودہ نظریات، خدا بیزاری اور باطل
کی ابتری سے مار کھا گئے۔ کٹر کمیونسٹ اور مارکس نواز قوتوں نے دم واپسیں میں بھی گورباچوف کو ہٹانے کی صورت
میں اپنی بساط بھر کوشش ضرور کی کہ شاید زندگی کی کوئی رمق محفوظ کی جا سکے، مگر یہ اقدام بھی کمیونزم کے تابوت میں آخری کیل
ثابت ہوا ؏ الٹی ہو گئیں سب تدبیریں کچھ نہ دوا نے کام کیا

اور اب روسی جمہوریاؤں کی تحریکاتِ آزادی ایک تاریک دور کے خاتمے اور نئے دور کا نقطۂ آغاز ثابت ہو ر
ہیں۔ خود گورباچوف اپنے مؤقف میں پہلے سے زیادہ مضبوط اور پُرعزم ہیں، کمیونسٹ پارٹی توڑنے کے بعد لینن، مارکس او
کمیونزم کے تمام پیشروؤں کی مورتیوں کو قوم نے حد درجہ ذلّت و تحقیر سے ٹھکرایا اور لاتیں مار مار کر توڑ دیا ہے۔

روس میں پیش آنے والے اِن نئے حالات اور سیاسی انقلابات پر امریکہ اور اس کے حلیفوں کی طرح پاکستا
سمیت تمام اسلامی ممالک میں اس پر حد سے بڑھ کر خوشی و مسرت اور مسلمانوں کی جانب سے اسے عالم اسلام کے
مستقبل کے لیے ایک خوش آئند صورتحال قرار دیا جا رہا ہے۔

۔۔۔ مگر ایسا ہرگز نہیں ۔۔۔ ہمارے نزدیک غیرت و حمیت کی سرزمین افغانستان میں زبردست اور عبرتناک شکست
کھانے کے بعد روس نے عالم اسلام کو ہڑپنے کے ارادے تبدیل نہیں کیے، عزم میں پسپائی اختیار نہیں کی،

صورتاً عملی پسپائی اور کھسیانی اداؤں اپنا کر صرف واردات کا انداز بدلا ہے۔ وہ اپنا پرانا، بوسیدہ، کریہہ اور داغدار و بدصورت نظریاتی لبادہ اتار کر ایک نیا جامہ زیبِ تن کر کے پھر سے ایک نئے انداز کی یلغار کرنا چاہتا ہے۔

افغانستان کے معرکۂ کارزار میں ذلیل ترین شکست اور ذلت آمیز پسپائی کے بعد روس نے نہ تو اسلام دشمنی سے توبہ کی نہ جنگ و قتال سے باز آیا نہ مقبوضہ مسلم ریاستوں میں اسلام کی کھُلی اجازت دی اور نہ کوئی ایسا اقدام کیا جس سے دینی، مذہبی اور اسلامی اعتبار سے مسلمانوں کی آزادی یا استحکام کا کوئی نافع پہلو موجود ہو، بلکہ افغانستان میں ناقابلِ تلافی نقصانات اٹھانے کے بعد روس نے وہاں جنگ بند کرنے کے بجائے پینترا بدلا اور اقدامی جنگی پوزیشن میں رہنے پر دفاعی جنگ کو ترجیح دی، روسی کمیونسٹوں کو مروانے کے بجائے افغانی کمیونسٹوں کو صفِ اوّل میں کھڑا کر دیا، روسی فوج کو افغانستان سے نکال کر افغانی تربیت یافتہ روسیوں کو واپس افغانستان بھیجدیا۔ اب بھی عملی طور پر کابل میں روس کی حکومت ہے اور روسی اسلحہ سے ہی کابل کی کٹھ پتلی انتظامیہ مجاہدین کا مقابلہ کر رہی ہے۔

سترہ اسلامی ریاستوں کو تاراج کر کے ان پر اپنی حکومت قائم کرنے، پانچ کروڑ مسلمانوں کا خون بہانے، مساجد کو نائٹ کلبوں اور مدارس کو اصطبل خانوں میں تبدیل کر دینے، علماء کے قتلِ عام، عورتوں کی عصمت دری اور لاکھوں مسلمانوں کو زندہ درگور کر دینے کے عالمی مجرم درندہ صفت روس سے موجودہ حالات میں بھی کسی خیر کی توقع عبث ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہی ارشاد فرمایا ہے کہ: اَلْکُفْرُ مِلَّۃٌ وَّاحِدَۃٌ۔

گذشتہ ماہ امریکی صدر کا دورۂ روس، بُش گورباچوف مذاکرات، اس سے قبل خلیجی جنگ میں امریکی پالیسی پر روسی حکومت کا صاد، اور اب روس کے حالیہ ڈرامائی معرکے میں امریکہ کے بُش، برطانیہ کے جان میجر و مسز تھیچر، فرانس کے مسٹر متراں اور جرمنی کے چانسلر ہلمٹ کوہل کا متفقہ طور پر گورباچوف کی معزولی پر غم و غصہ اور بحالی کی تحریک کی پرزور حمایت اور تمام مغربی قوتوں کا یک آواز روسی صدر کی بازیافت کے لیے متحرک ہو جانا، صرف گورباچوف سے ہمدردی یا فقط جمہوریت کی خاطر مقصود نہ تھی، بلکہ اصل مسئلہ یہ ہے کہ صدر گورباچوف روس کی سفید فام مسیحی آبادی کو کمیونزم کے دیو استبداد سے نجات دلا کر احیائے مسیحیت کے لیے کوشاں تھے، اور جہادِ افغانستان کی بدولت یہ بات اس کی سمجھ میں آگئی تھی اور امریکی صدر بش نے اندرونِ خانہ ان کی اس پالیسی کو سراہا تھا کہ وسطِ ایشیا میں عنقریب احیاء اسلام کی لہر اٹھے گی۔ بلکہ روس نے افغانستان کے معرکۂ کارزار میں جس طرح شکست کھائی اور جہاد کی برکت سے روسی مقبوضہ مسلم ریاستوں میں جو طوفان اُٹھتے نظر آ رہے ہیں، اس کا نتیجہ ہے کہ امریکہ سمیت روسی حکمران بھی مستقبل میں ایک عظیم انقلاب برپا ہوتے دیکھ رہے ہیں جس کا لاوا تمام مقبوضہ اسلامی ریاستوں میں پک چکا ہے۔ وہاں کے مسلمانوں نے روسی بیلچے پھینک دیئے ہیں اور اب وہ کلاشنکوف اٹھائے ہوئے ہیں ——— کشمیر کا حالیہ جہادِ آزادی اور مسلمانوں کی عظیم قربانیاں بھی تو اسی کا ثمرہ ہیں ——— روسی حکمران یہ

سمجھنے لگے ہیں کہ انقلاب کا یہ سیلاب جب آگے بڑھے گا تو کمیونزم کی کچی اور ریت کی دیواریں اس کا راستہ نہیں روک سکیں گی۔ انہیں یہ یقین ہو گیا ہے کہ کمیونزم نظریاتی سطح پر کچھ زیادہ جذبات خیز، ولولہ انگیز اور اُمنگ دینے والا نظام ثابت نہ ہو سکا، الحاد پر مبنی ان کا اپنا نظام عقائد ایسا ذوقِ شہادت مہیا نہ کر سکا جو مسلمانوں میں پایا جاتا ہے، وہ اپنے کمیونسٹ نظام کے عقائد کے کھوکھلے پن، کمزوری اور فرو تری کو سمجھ گئے ——— گورباچوف پر یہ حقیقت بھی واضح ہو گئی کہ کمیونزم نظریاتی سطح پر خون کو گرما دینے والی وابستگی کا جوش پیدا کرنے میں قطعاً ناکام ہے، مذہب کی نفی اور الحاد کی قہر سامانی سوویت عوام پر مسلط کرنا صریح حماقت ہے اور ایسے عقائد و نظریات کے حامل معاشرے اور ملحد و بے دین لشکر و سپاہ کے ساتھ دیندار اور خالص اسلامی جہاد کے علمبردار ذوقِ شہادت سے سرشار بالخصوص افغان مجاہدین کے ساتھ ٹکراؤ حماقت در حماقت ہے۔

چنانچہ اُس نے فیصلہ کر لیا کہ اگر اسلامی جہاد کو روکنا ہے تو لازم ہے کہ مسیحی رُوح اور عیسائیت کے مذہبی حاسہ کو بیدار کیا جائے ——— جبھی تو امریکی صدر، برطانوی وزیر اعظم، پاپائے رُوم اور دیگر متعدد مسیحی زعماء نے لاکھوں انجیلیں روسی زبان میں چھپوا کر روس کے تمام اطراف و اکناف میں گورباچوف کے زیر سایہ تقسیم کرائیں ورنہ گورباچوف کے جانے کا غم بش، تھیچر، جان میجر اور پاپائے روم کو کیوں ہوتا؟

ہماری دانست کے مطابق جس طرح روس میں کٹر کمیونسٹ حکومت روسی جمہوریاؤں اور افغانستان سمیت تمام عالمِ اسلام کے لیے شدید خطرہ ثابت ہو سکتی ہے اسی طرح مسٹر گورباچوف کا اقتدار بھی اگرچہ مزاجاً غیر کمیونسٹ معاشرے کی ترجیح ہے مگر اس سے مسیحیت کو مزید تقویت ملے گی، مجاہدین کے اسلامی جذبۂ جہاد کے مقابلہ میں مسیحیت کو ابھارا جائے گا۔ اس سے امریکہ کو شرق الاوسط میں مسلمانوں کی قوت توڑنے میں مزید آسانی ہو گی اور نیو ورلڈ آرڈر کی مزید پیش رفت کے امکانات روشن ہوتے چلے جائیں گے۔

ایسے حالات میں ہم سمجھتے ہیں کہ امریکی بُش اور روسی گورباچوف ایک ہی حقیقت کے دو نام ہیں، لہٰذا مسلمان جن کا خدا سب پر غالب ہے جس کی مدد صرف سچے مسلمانوں کے ساتھ ہے، وہ اگرچہ تھوڑے ہیں ان پر اسلحہ کی پابندیاں ہیں مگر خدا تعالیٰ کائنات کی ہر طاقت کو ان کے حق میں استعمال کرتا رہا ہے، اس لیے انہیں اپنے دشمن کو دشمن سمجھنا چاہیے۔ لہٰذا اگر وہ ان بڑے فریبیوں اور مکاروں کے چنگل سے دور رہے اور اپنے مؤقف اور جہاد پر ڈٹے رہے تو اب بھی خدا کی مدد و نصرت ان کے شامل حال ہو گی۔ وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ۔

عبدالقیوم حقانی

خطاب: حضرت مولانا سمیع الحق مدظلہ ——— ضبط وترتیب: مولانا طارق علی شاہ کوہاٹی

طلبہ علوم دینیہ
مقام و ذمہ داریاں

دار العلوم حقانیہ کے تعلیمی سال کی افتتاحی تقریب (منعقدہ ۲۳ شوال ۱۴۱۲ھ) سے دار العلوم کے مہتمم حضرت مولانا سمیع الحق مدظلہ کا خطاب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من سلک طریقاً یطلب فیہ علماً سھل اللہ لہ طریقاً الی الجنۃ

حضرت اساتذہ کرام و عزیز طلبہ! حضرت شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی محمد فرید صاحب دامت برکاتہم نے درس ترمذی سے افتتاح فرمایا، اللہ تعالیٰ سب کے لیے مبارک فرمائے۔ انہوں نے آپ کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی روشنی میں خوش آمدید بھی کہا۔ اور جیسا کہ آپ نے سنا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تاکید فرمائی تھی کہ لوگ دنیا کے مختلف حصوں سے .... اونٹوں پر سوار کہ وہ سفر کی طوالت اور لاغرپن کی وجہ سے چل نہیں سکیں گے، علم حاصل کرنے آئیں گے، اور مدینہ منورہ کے باشندوں سے یہ فرمایا تھا کہ لوگ جب علم حاصل کرنے آئیں تو تم انہیں خوش آمدید کہنا اور ان سے خیر خواہی کا سلوک کرنا۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشادِ عالی کی روشنی میں ہم دار العلوم کے خادم ہونے کی حیثیت سے آپ سب کو خوش آمدید کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کا تعلیم کے لیے تشریف لانا دار العلوم کے لیے اور آپ کے لیے مبارک فرمائے اللہ تعالیٰ آپ کے اس سفر اور دار العلوم تشریف لانے کو طلب علم اور اپنی رضا کے حصول کا ذریعہ بنائیں، اللہ تعالیٰ آپ کو عظیم علماء، عظیم مجاہدین، عظیم مبلغین بنائے اور ہر صلاحیت سے آراستہ فرمائے۔ جیسا کہ دار العلوم کے فضلاء کو ہمیشہ اللہ تعالیٰ نے نمایاں رکھا ہے اور سورج کی طرح تمام ماحول پر حاوی کر دیا ہے۔ انشاء اللہ اگر آپ نے دار العلوم کی اور ان اوقات کی قدر کی تو اللہ تعالیٰ آپ کے یہاں کے قیام کو بہت خیر و برکت کا ذریعہ بنائیں گے۔

طلب علم اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت ہے

علم کے راستہ میں آپ آئے ہیں، سفر کیا ہے، طلب علم اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت ہے۔ جس میں اللہ تعالیٰ یہ توجہ پیدا کر دیں جس کو توفیق دیدیں اس کیلئے اس سے بڑی عظیم کوئی نعمت نہیں پھر آج اس ظلمت اور الحاد و دہریت کے دور میں

یہ اللہ کا عظیم کرم ہے کہ لاکھوں کروڑوں انسانوں میں سے ایک آدمی کو تحصیلِ علم کے لیے مخصوص فرمادیں، یہ انتخابِ خداوندی ہے کہ آپ کے لیے ایسے حالات پیدا کر دیئے کہ آپ کو دنیا کے پیچھے نہیں لگایا، دنیاوی مشاغل کی طرف متوجہ نہیں کیا، یہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وارث ہونے کی سعادت سے نوازنا چاہتے ہیں۔

آج اگر اللہ تعالیٰ آپ کو اس غلیظ و حقیر دنیا کے پیچھے لگا دیتے اور ماں باپ کے دل میں یہ جذبہ پیدا نہ ہوتا کہ اس بچے کو دین کے لیے وقف کرنا ہے، اور ماں باپ کہتے کہ ہم تو غریب ہیں، کمزور اور بوڑھے ہیں یہ ہماری خدمت کرے، ہمارے بڑھاپے کا سہارا بنے، کچھ پیسہ کما کر لائے، کھیت میں لگا دیا ہوتا، تجارت و مزدوری میں لگا دیا ہوتا تو ہم کیا کر سکتے تھے؟ ہمارے والدین اور بڑوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے یہ ڈال دیا کہ اس بچے کو میرے راستے میں وقف کر دو۔ یہ اتنی عظیم نعمت ہے کہ اس پر اللہ تعالیٰ کا جتنا بھی شکر ادا کریں کم ہے۔

علمِ دین افضل ہے یا جہاد؟ علمِ دین کی بہت بڑی فضیلت ہے کہ بڑے بڑے ائمہ اس پر بحث کرتے ہیں کہ جہاد افضل ہے یا علمِ دین؟ جہاد اللہ تعالیٰ کے راستے میں سب کچھ قربان کر دینا ہے، لیکن امام ابوحنیفہؒ امام مالکؒ ایسے دو عظیم ائمہ کی رائے یہ ہے کہ اگر بہت سخت حالات آجائیں اور کوئی جہاد نہ کر سکے، ایک اسلامی ملک کفار کے قبضہ میں آجائے اور کوئی طبقہ جہاد کے لیے نہ تھا، تو ایسے وقت میں عارضی طور پر جہاد افضل ہے۔ لیکن عمومی حالات میں جب جہاد اور علم کا تقابل کرتے ہیں تو یہ دو عظیم ائمہ فرماتے ہیں کہ علمِ دین کا مقام اور فضیلت جہاد سے بھی بہت زیادہ ہے ـــــ گویا اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہر وقت ایک جہاد میں مصروف کر دیا ہے۔ آپ کی نشست و برخاست، سونا جاگنا، کھانا پینا سب عبادت میں شمار کیا جائے گا۔ اور یہ مقام جب جہاد کا ہے تو یہ وقت بھی آرام و راحت کا نہیں، آپ اپنے کو جہاد میں خیال کریں۔ جہاد میں بھوک پیاس ہوتی ہے، گرمی، سردی ہوتی ہے، چارپائی اور چٹائی نہیں ہوتی۔ جب آدمی جہاد میں مصروف ہوتا ہے اور دنیا کی ہر راحت و آسائش سے دستبردار ہو جاتا ہے اسی لیے تو اس کو جہاد کہتے ہیں۔ جب یہ (علمِ دین کی تحصیل) اس سے بڑا جہاد ہے تو اس میں زیادہ تکالیف و ابتلاء سے واسطہ پڑے گا۔

علم و ابتلاء اس علم کی خصوصیت یہ ہے کہ پہلے اللہ تعالیٰ آپ کو آزمائشوں سے گذاریں گے، جو اپنے کو علمِ دین کے لیے وقف کر دے پھر یہ خیال کرے کہ مجھے بنگلے ملیں گے، ایر کنڈیشن ملیں گے، مرغ پلاؤ ملیں گے، تو وہ یہ سمجھ لے کہ پھر علم حاصل نہیں ہو سکتا۔ یہ سُنّۃ اللہ ایسی چلی آتی ہے، اللہ تعالیٰ کا تکوینی نظام ہے کہ ایک آدمی جب اس علم کے لیے وقف ہو گیا تو اللہ اس کو شدائد، امتحانات اور محن کی بھٹیوں سے گذاریں گے تب وہ ایک صحیح اور کھرا عالم بنے گا، جیسے سونے کو جب

ں میں ڈال دیا جائے تب اس کا کھرا اور کھوٹا ہونا معلوم ہوگا۔ اب اللہ تعالیٰ آپ کا کھرا کھوٹا معلوم کریں
ے جس نے بہت تکالیف برداشت کیں، بہت محن برداشت کیے، بہت فاقے برداشت کیے، آرام و
حت اس کو بالکل نہیں ملا، تو میرا شرح صدر کے ساتھ یہ یقین ہے کہ مستقبل میں اللہ تعالیٰ اس کو عظیم
ناما ت عطا فرمائیں گے۔

یہ چودہ سو سال سے ہمارے طلباء و علماء کا سلسلہ اسی طرح چلا آرہا ہے کہ جو بھی عظیم امام ہے عظیم عالم و
منف ہے اس کے طالب علمی کے حالات و واقعات آپ دیکھیں تو وہ سخت تکالیف، فقر و فاقے سے بھرے
ہوئے ہیں۔

حضرت ابوہریرہؓ کا زمانہ طالب علمی

ابتداء میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی حالت دیکھیں، جو صحابہ کرامؓ طالب علم
ہوئے۔۔۔۔۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں فاقوں کی وجہ
سے بیہوش ہوجاتا، لوگ آکر میری گردن پر پاؤں رکھتے اور کہتے کہ ان پر مرگی آپڑی ہے، ھٹولاء مجانین
ن ان پر دیوانگی طاری ہے، جنات کا سایہ ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم مجانین نہ تھے
بھوک کی وجہ سے بیہوش ہوجاتے تھے۔۔۔۔۔ پھر ان صحابہ کرامؓ کو اللہ تعالیٰ نے کیا سے کیا بنا دیا، حضرت
ہریرہ رضی اللہ عنہ کو دیکھئے، ایک ایک صحابی کو دیکھیں، اللہ تعالیٰ نے انہیں عالم انسانیت کا معلم بنا دیا
ر کائنات کو ان کے ذریعے روشن کر دیا۔

امام بخاریؒ کا واقعہ

یہ امام بخاریؒ اور امام ترمذیؒ جن کی کتابیں آپ پڑھیں گے۔ امام بخاریؒ کے
رائی حالات اتنے تکلیف کے تھے کہ سنکر رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں، آپ سبق کے بے حد شوقین تھے۔
رات فضول باتوں میں وقت نہ گذارتے تھے، بڑی سے بڑی مشکل میں بھی سبق کا ناغہ نہ کرتے تھے، ایک
ر سبق کو نہ آسکے، ساتھیوں نے پوچھا کہ آج حدیث کے سبق کا ناغہ کیوں ہوا؟ کہا میرے کپڑے انتہائی
یلے ہو چکے تھے، پہننے کے قابل نہ تھے اور میرے پاس گھر میں اتنا بھی کپڑا نہ تھا کہ فرض حصہ کا ستر
لیتا اور سبق کا ناغہ نہ کرتا، اُن کو دھویا اور اُن کے سوکھنے کا انتظار کرتا رہا، اسلئے سبق کا ناغہ ہوگیا۔
ے گھر کے برتن اور سامان بیچ کر ان حضرات نے علم حاصل کیا۔ ایسے علماء بھی گذرے ہیں کہ جنہوں نے
اس وغیرہ کھا کر گذارہ کیا لیکن حصول علم دین کو نہ چھوڑا۔

اکابرین دیوبند کا زہد و استغنا

اپنے اکابرین کے سلسلہ کو دیکھئے! حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی
رحمۃ اللہ علیہ دارالعلوم دیوبند کے بانی اور عظیم محدث حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی
اللہ علیہ، یہ دونوں ساتھی تھے، دہلی اور مختلف جگہوں پر اکٹھے سبق پڑھا۔ ان پر ایسا وقت بھی آیا کہ خوراک کا

کوئی ذریعہ تھا، شام کو چھپ چھپ کر بازار چلے جاتے۔ سبزی والے دوکان بند کرتے وقت گلی سڑی سبزیاں باہر پھینک دیتے اور یہ دونوں ایک طرف بیٹھے رہتے، انتہائی خوددار اور استغنا والے اکابرین تھے کسی سے سوال بھی نہ کرتے تھے۔ تو جب دوکاندار چلے جاتے تو یہ دونوں حضرات اس میں سے کچھ صاف صاف الگ کرکے اس کو اُبال کر وقت گذارتے ــــ یہ دو عظیم ائمہ اکابرین دیوبند کے حالات ہیں۔ تو گویا کہ یہ سلسلہ ہی ایسا ہے کہ اس میں تکالیف ہی تکالیف ہیں۔

دارالعلوم حقانیہ اور طلبۂ دارالعلوم اب جبکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو طلبِ علم کے لیے مخصوص فرما لیا ہے تو اس راستے کی تکالیف کے لیے اپنے آپ کو ذہنی طور پر بھی تیار رکھنا ہوگا۔ دارالعلوم سے یہ امیدیں نہ رکھیں کہ یہاں سہولتیں اور راحتیں ملیں گی لیکن یہ ہمارا فرض ہے کہ جس قدر دارالعلوم کے بس میں ہے اور دارالعلوم کے وسائل ہیں آپ کے آرام و راحت کی فکر کریں، یہ ہمارا ایمانی فریضہ ہے۔ دارالعلوم کے ساتھ حکومتوں یا نوابوں اور امراء، وزراء کی کوئی امداد نہیں، مخلص مخیر حضرات کے چندے ہیں۔

دارالعلوم حقانیہ میں اللہ تعالیٰ ہر سال دور دراز علاقوں کے طلبہ کو جمع کر دیتے ہیں۔ تو یہ طلبہ یہاں بلڈنگوں کا تصوّر لے کر نہیں آتے ورنہ بڑی بڑی بلڈنگوں والے مدارس موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں بیرونی آقاؤں کے احتیاج سے محفوظ رکھا ہوا ہے اور اس میں اللہ کی حکمت ہے کہ ہمیں ان راحتوں سے محروم رکھا ہوا ہے ــــ اللہ پاک دارالعلوم کو آزاد رکھنا چاہتے ہیں، اللہ پاک خود اس کا انتظام فرما دیتے ہیں۔ ہمارے ہاں فقیری، غریبی اور درویشی ہے اور اگر یہاں بھی ایئر کنڈیشن ہوتے، راحتیں ہوتیں تو پھر آپ کی یہ حالت نہ ہوتی جو کہ اس وقت ہے۔

ہمارے اکابرین نے بڑی تکالیف اور اخلاص کے ساتھ یہ سلسلہ شروع کیا، اس دارالعلوم کی بناء (تعمیر) میں علیہ کا بڑا حصہ ہے، یہ طلبہ اکثر اب آپ کے بڑے ہوں گے (والد، چچا، ماموں وغیرہ) اپنے اپنے علاقوں میں جا کر ان سے دارالعلوم کے حالات پوچھیں کہ انہوں نے یہاں کتنی تکلیف میں وقت گذارا ہے، اُس وقت (دارالعلوم کی) یہ عمارتیں نہیں تھیں، یہ چھوٹا سا گاؤں تھا اس کے چھوٹے چھوٹے محلّے اور ان کی مسجدیں، اُن میں رہتے، رُوکھی سُوکھی روٹی کھا کر گذارہ کیا کرتے، چٹائیاں بھی نہیں تھیں، ایسے ہی راتیں گذارتے۔ یہ ۳۵، ۴۰ سال اس حالت میں گذرے ہیں۔ اب تو اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے کہ حالات کچھ نہ کچھ بہتر ہو گئے ہیں۔

بہرحال ذہن کو پہلے سے تیار رکھیں کہ یا اللہ ہمیں امتحان و آزمائش میں نہ ڈالیں اور اگر آپ کو منظور ہو کہ فقر بھی ہو، غریبی بھی ہو، چارپائی و چٹائی بھی نہ ہو، کمرے میں جگہ تنگ ہو تو اس تکلیف کو ایسا سمجھیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے درجات کی بلندی کے لیے ہے۔ جیسے فوجی کو جب ٹریننگ دیتے ہیں تو اُسے صبح سویرے

اٹھاتے ہیں، ڈراتے ہیں، آپ [illegible] ہیں — تو اللہ تعالیٰ اب آپ کو
ان مراحل سے گذاریں گے تب کہیں جاکر آپ اسلام کے عظیم علمبردار، مبلغین و مجاہدین بنیں گے۔

علماء کا مقام | تو علم کے بارے میں تو یہ ہے کہ اَلْعِلْمُ عِزٌّ لَا ذُلَّ فِیْہِ علم میں عزت ہے ذلت کسی قسم کی نہیں، عزت صرف اور صرف علماء کی ہے یَرْفَعِ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ۔ (القرآن) اونچا مرتبہ صرف علماء کا ہے، یہ تمام کائنات و مخلوقات اور انسان ایک طرف، ان میں صوفیا بھی آگئے، متقین و زاہدین اور صائمین و عابدین بھی آگئے جو دن رات عبادت میں گذارتے ہیں لیکن عالم نہیں، ان سب سے آپ کا مقام اونچا ہے۔ اس لیے کہ اب آپ سے ہی دین کی بقاء ہے، انسانیت کی بقاء ہے۔ دنیا میں اگر ایک طرف سوشلزم ہے، کمیونزم ہے، کفر و الحاد اور دہریت ہے، مادہ پرستی اور دین سے بغاوت ہے تو دوسری طرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نام لیوا بھی موجود ہیں، ان ظلمتوں میں اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی شمع آپ کے ہاتھوں میں دینا چاہتے ہیں۔ تو اس سے بڑھ کر کوئی عزت ہے؟ اس میں ذلت تو بالکل ہے ہی نہیں، لیکن یُحْصَلُ بِذِلٍّ لَا عِزَّ فِیْہِ۔

اکابرین کا تجربہ ہے کہ علم ذلتوں سے حاصل ہوتا ہے، تحصیل علم میں عزت نہیں۔ ہمارے اکابر نے دَر دَر پر جاکر روٹی کے ٹکڑوں کی بھیک مانگ کر علم کی رفعتیں حاصل کی ہیں — مسجدوں میں پڑے رہتے، مقتدیوں کی باتیں بھی سنتے، وہ بُرا بھلا بھی کہتے کہ چٹائیاں کیوں نہیں ڈالیں، لوٹے کہاں ہیں، استنجاء کیلئے ڈھیلے کیوں نہیں لائے! یہ سب کچھ لوگ اُن سے کرواتے اور طالب علم مجبوراً کرتے۔ یہ سب ذلتیں کس لیے اٹھائیں؟ کہ خیر کوئی بات نہیں یہ سب کچھ برداشت کرلیں گے لیکن علم دین حاصل کرکے رہیں گے — تو علم ذلت کے ساتھ حاصل ہوتا ہے لیکن اس کا نتیجہ پھر عزت ہی عزت ہے۔ آپ لوگ خوش قسمت ہیں کہ ان اکابرین علماء کے ساتھ شب و روز مصروف رہیں گے اور علم حاصل کریں گے۔

صحابہ کرامؓ اور تحصیل علم | صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو علم کی قدر تھی۔ صحابہ کرامؓ نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجالس میں بھی آپ سے علم حاصل کیا تھا۔ ایک حدیث کے بارے میں بھی اگر ان کو معلوم ہو جاتا کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے براہِ راست نہیں سُنی اور مصر میں وہ حدیث ہے، دمشق میں وہ حدیث ہے، اس کا استاد دمشق میں ہے، تو صحابہ کرامؓ بڑھاپے کی حالت میں بھی روانہ ہوجاتے، سفر شروع کردیتے کہ وہ حدیث حاصل کرلیں، جیسا کہ آپ نے سفر کیا ہے۔ بلوچستان سے، افغانستان سے، وزیرستان سے اور بھی نہ معلوم کہاں کہاں سے!

ایک صحابی ہیں حضرت جابر رضی اللہ [illegible]، حضرت انس رضی اللہ عنہ کے درجہ کے صحابی ہیں، بڑا مقام ہے

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا، دس سال آپ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر رہے، حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو بھی اللہ تعالیٰ نے مسلسل آٹھ سال حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہنے کا شرف عطا فرمایا، ہزاروں احادیث اس عرصہ میں آپ نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنی ہوں گی، ان کو کیا ضرورت تھی کہ ایک حدیث کا سُن کر روانہ ہو جائیں! سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد انہوں نے ایک حدیث سُنی کہ قیامت کے دن زمین بالکل ہموار ہو جائے گی اور ایک سطح ہو جائے گی اور لوگوں سے کہا جائے گا کہ اپنے ظلم کا بدلہ لے لو۔ اس حدیث کے راوی ایک اور صحابی ہیں جو دمشق میں رہتے تھے۔ تو حضرت جابر رضی اللہ تعالےٰ عنہ مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے کہ میں براہِ راست اُن سے یہ حدیث سُننا چاہتا ہوں ___ تو اب انہوں نے تو آٹھ سال میں ہزاروں احادیث سُنی ہیں، تو یہ علم کا جذبہ اور قدر ہے کہ بوڑھا آدمی بھی، اُس زمانے میں سفر کی موجودہ سہولتیں بھی نہ تھیں پیدل اور اونٹوں کا سفر تھا، مدینہ منورہ سے خیبر وہاں سے تبوک، یہ تمام صحرا اور پہاڑی راستہ طے کر کے دو تین ماہ میں وہاں پہنچا ہو گا جس کے پاس جا رہے ہیں وہ آپ سے کم درجے کے صحابی ہیں ___ تو یہ حضرات علم حاصل کرنے میں اس بات کو نہ دیکھتے کہ یہ مجھ سے بڑا ہے یا چھوٹا ___ ایک استاد کی خواہ کیسی بھی حیثیت ہو جب اس کے پاس علم ہے تو اس کو اپنے سے ہزار درجہ بڑا سمجھیں ___ تو حضرت جابر رضی اللہ عنہ چند ماہ سفر کے بعد دمشق پہنچتے ہیں اور اُن سے کہتے ہیں کہ مجھے وہ حدیث سناؤ۔ یہ علم کی تحصیل کا جذبہ تھا کہ وقت ضائع نہ ہو جائے ___ بڑا ہو یا چھوٹا لیکن جب اُس کے پاس علم ہے تو اس چیز میں وہ تم سے بڑا ہے۔ یہ جذبہ اپنے اندر پیدا کرنا ہو گا۔

علم اور مشقت | شکر کریں کہ صحابہ کرامؓ نے تو ایک ایک حدیث کے لیے بڑی بڑی مشقتیں اٹھائیں اور ہمارے لیے ہزاروں احادیث اور ہزاروں علوم آپ نے ایک دارالعلوم کی صورت میں جمع فرما دیئے ہیں۔ اور اس بات کا بھی شکر ادا کریں کہ روٹی تیار مل جاتی ہے، پہلے اساتذہ[1] مزدوری بھی کیا کرتے تھے کچھ روٹی خود کھالی کچھ گھر میں دے دی، وظیفے مانگتے ہیں ـ ہمیں تو رُوکھا سُوکھا جو کچھ بھی ہے دارالعلوم میں تیار مل جاتا ہے، گرمی اور دھوئیں سے اللہ تعالیٰ نے بچا رکھا ہے، چارپائی دے رکھی ہے، کمرہ ملا ہوا ہے، کتاب ملی ہوئی ہے اور پھر ایسے اساتذہ جو دن رات اسی لیے وقف ہیں ___ پہلے تو طالب علم کو اُستاد کی خدمت سے فرصت نہیں ملتی تھی۔ اُستاد کے مویشی چرانا، کھیت میں کام کرنا، چوبیس گھنٹے ان کی خدمت کرنا،

---

[1] مولانا عبدالقیوم حقانی کی تصنیف "اربابِ علم و کمال اور پیشۂ رزقِ حلال" اس موضوع پر سب سے پہلی دلچسپ اور ہر لحاظ سے مؤثر اور جامع کتاب ہے۔ (مرتب)

پھر چند منٹ کے لیے استاد سبق پڑھا دیتا، یہ بھی اُن طالب علموں کی سعادت تھی، جتنی زیادہ انہوں نے ستاد کی خدمت کی اللہ تعالیٰ نے ان کو بہت بڑا عالم بنا دیا ــــ آپ لوگ تو الحمدللہ اساتذہ کی خدمت سے فارغ ہیں اور آپ کو اللہ تعالیٰ نے دن رات ہمہ تن فارغ کر دیا ہے، اگر ان اوقات کی پ نے قدر کی پھر تو آپ بہت بڑے خوش بخت ہیں۔

معرکۂ حق و باطل حق و باطل کی جنگ جاری ہے، خیر و شر کا مقابلہ ہے، نور و ظلمت کا مقابلہ ہے، دن رات کا مقابلہ ہے، آگ اور پانی کا مقابلہ ہے۔ اسی طرح معرکۂ حق و باطل کا سلسلہ جاری ہے ر حق کا سلسلہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام سے جاری فرمایا، اُن کو مسجودِ ملائکہ بنایا صرف علم کی وجہ سے، علم کی فضیلت نہ ہوتی تو آدم علیہ السلام مسجودِ ملائکہ نہ ہوتے، نعوذ باللہ پھر انسان، بیل، بھینس اور ھی میں کوئی فرق نہیں۔ طاقت و قوت اور ہر چیز میں حیوانات ہم سے بڑھ کر ہیں، ہم میں انسانیت کا شرف ہے

انسان کو علم کی وجہ سے امتیاز ملا فضیلت علم کی وجہ سے ہے وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ــــ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۝ پڑھیے اپنے پروردگار کے نام کے ساتھ جس نے پیدا کیا۔ و یہ پیدا کرنا کوئی بڑی بات نہیں، اس لیے کہ صرف ربوبیت یہ تقاضا کرتی ہے کہ وہ ہر کسی کو پیدا کرے، گدھے کو بھی پیدا کرے، گائے بیل کو بھی، زمین و آسمان اور دیگر تمام کائنات کو بھی پیدا کرے، اس میں تو ہم سب ابر ہیں۔ تو رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۝ فرمایا، لیکن ساتھ ہی یہ فرمایا اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۝ الَّذِیْ لَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ کہ تم کو علم کی وجہ سے اور مخلوقات سے ممتاز کیا۔ تو وہاں صرف ربوبیت ہے جبکہ یہاں بوبیت کے ساتھ اکرمیت بھی ہے کہ وہ (انسان) انتہائی اکرمیت، کرامت و شرافت والا ہے، اس لیے تم وعلم دیا تو اتنی بڑی چیز آدم علیہ السلام کو عطا فرمائی، اور وہ صرف ایک فن کا علم نہ تھا بلکہ سائنسدانوں انجینئروں ر پوری کائنات کا علم تھا لیکن وہ مسجودِ ملائکہ صرف علوم الٰہیہ کی وجہ سے ہوئے، اس لیے کہ وہ پیغمبر تھے، راہبرِ دی تھے، جو علوم معرفتِ حقیقی کا ذریعہ ہوتے ہیں وہ بھی ان کو ملے، اس وجہ سے وہ مسجودِ ملائکہ ہوئے۔

تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو آدم علیہ السلام کا وارث بنایا ہے، امام الانبیاء، خاتم النبیین کا وارث بنایا ہے۔ ی کو ہامان کا وارث بنایا، کسی کو قارون کا، کسی کو نمرود و شداد کا، کسی کو لینن کا، کسی کو گورباچوف کا، کسی کو بش ا اور کسی کو کروڑ پتیوں کا۔ کوئی ان کی طرح کروڑ پتی ہے، کوئی حکمران ہے ــــ کیا یہ سب کچھ نہیں ہے؟ پ خوش بخت ہیں کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے اہلِ حق اور انبیاء علیہم السلام کے سلسلہ کا وارث بنایا۔ اَلْعُلَمَاءُ وَرَثَةُ الْاَنْبِیَاءِ ــــ لَمْ یُوَرِّثُوْا دِیْنَارًا وَّلَا دِرْهَمًا وَلٰكِنْ وَرَّثُوا الْعِلْمَ ۔ انبیاء علیہم السلام نے درہم اور دینار نہیں چھوڑے بلکہ آپ کے لیے وراثت میں علم چھوڑا ہے۔

بہرحال اہل حق کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو شامل کیا ہے۔ تو تعلیم و تعلّم اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں خَیْرُکُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ وَعَلَّمَهٗ ۔ آپ کی خیریت رہبری پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مہر لگا دی ہے۔ لیکن آپ کی ذمّہ داریاں بھی نازک ہیں۔ ایک تو تکالیف کے لیے ذہنی طور پر تیار رہنا ہوگا، اگر تکالیف آئیں تو اللہ کا شکر ادا کریں۔

تحصیل علم خالص اللہ کی رضاء کے لیے ہو

اور دوسرے اس برداشت میں خلوص، اخلاص و للہیت ہو کہ یا اللہ! تیری رضا مقصود ہے۔ اگر ذہن میں یہ تصور ہو کہ چونکہ میرا باپ قاضی ہے، محدث ہے مفسر ہے یا مہتمم ہے تو میں بھی مہتمم بن جاؤں گا، لیڈر بن جاؤں گا لوگ زندہ باد کے نعرے لگائیں گے۔ بڑا مصنف بن جاؤں گا، تو یہ سب چیزیں ذہن سے نکال دیں، آج ہی سے یہ فیصلہ کرلیں کہ یہ سب چیزیں دنیاوی ہیں ان کے لیے علم حاصل نہیں کرنا، اگر اس دھوکہ میں رہے تو سارا سفر غلط ہو جائے گا۔ یہ ساری مشقتیں اس لیے نہ اٹھائیں کہ لوگ میری دعوت کریں گے، لیڈر کہیں گے، محدث ہو جاؤں گا، مفسر ہو جاؤں گا، مدرسہ کا مہتمم بن جاؤں گا، یہ دنیاوی اور عارضی چیزیں ہیں، تحصیل علم خالص اللہ کی رضاء کے لیے ہو، علم دین اور احکام اسلام کا سیکھنا اور پھر تمام مخلوق تک پہنچانا اور سارے عالم کی ہدایت کی فکر کرنا، خالص نیت رکھیں۔

واقعات تو بہت ہیں اور وقت بھی نہیں ہے، صرف ایک واقعہ عرض ہے کہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی صرف یہی نیت تھی جس کی وجہ سے بادشاہ وقت نے مدرسہ کو باقی رہنے دیا ورنہ وہ تو سارے مدرسہ کو ختم کر رہا تھا۔ بادشاہ یا وزیر اعظم بغداد آیا اور ہر طالب علم سے پوشیدہ طور پر دریافت کیا کہ علم کس لیے حاصل کر رہے ہو؟ کسی نے کہا کہ میرا باپ قاضی ہے (قاضی اُس زمانے میں چیف جسٹس ہوتا تھا) تو اس لیے پڑھ رہا ہوں تاکہ میں بھی قاضی بن جاؤں، اسی طرح حکومت کے دوسرے مناصب اور عہدوں پر فائز ہو سکوں۔ یہ سب سُنکر بادشاہ نے سر پکڑ لیا کہ یا اللہ! میرا تو لاکھوں روپیہ سمندر میں جا رہا ہے، چنانچہ اُس نے ارادہ کیا کہ مدرسہ کو بند کردے ــــ آخر میں ایک طالبعلم کونے میں بیٹھا نظر آیا، بادشاہ اُس کے پاس بھی گیا اور سوچا کہ یہ بھی ویسا ہی ہوگا۔ بہرحال اس سے بھی پوچھا کہ علم کس لیے حاصل کر رہے ہو؟ اُس نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ راضی ہو جائے اور اس کی رضا کے حصول کے لیے حلال و حرام کی معرفت اور سارے عالم کی ہدایت کے لیے علم حاصل کر رہا ہوں، یہ سُنکر بادشاہ نے مدرسہ کو بند کرنے کا ارادہ ترک کر دیا اور کہا کہ شکر ہے کہ اگر ایک طالب علم بھی ایسا ہو تو کافی ہے ــــ اور اسی طالب علم کو اللہ تعالیٰ نے حجۃ الاسلام امام غزالیؒ بنایا۔ تو تصحیح نیت ضروری ہے۔

علم اور تواضع

اور تیسری چیز تواضع ہے، اپنے آپ کو بالکل مٹا دیں۔ فرعونیت اور انانیت کو

چھوڑ دیں۔ تو چھوٹوں کو نہ بڑھائیں۔ اگر آپ نے ان چیزوں کو ختم نہ کیا تو پھر تحصیلِ علم میں اللہ کی مدد نہ ہوگی۔ یا[1]
عاجزی، فنا، فروتنی، تسلیم و رضا، تحصیلِ علم کے ساتھ تکبر چل ہی نہیں سکتا۔ اپنے آپ کو فنا فی العلم کر دیں اللہ تعالیٰ آپ
کو آسمان کی بلندیوں پر پہنچا دیں گے۔ من تواضع للہ رفعہ اللہ۔ جس نے علم کے راستے میں تواضع کی اللہ تعالیٰ
اس کو رفعت دیں گے۔ حقیر سے حقیر شے کو اپنے سے اونچا سمجھیں، معمولی طالب علم کو بھی اپنے سے اچھا سمجھیں۔

شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ کی تواضع | شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ،
میرا یہ یقین ہے اور اگر حلفاً کہہ دوں تو حانث نہ ہونگا کہ وہ ایسے فنا ہو چکے تھے کہ مبتدی طالب علم آتا تو اس
کے لیے بھی کھڑے ہو جاتے۔ ہم انہیں زبردستی بٹھاتے تو فرماتے بیٹا مجھے اٹھاؤ، یہ طالب علم ہے اور قسم کھاتے
کہ یہ مجھ سے زیادہ محترم ہے، زیادہ معزز ہے۔ اُن کے دل میں یہ راسخ ہو چکا تھا کہ ہر انسان مجھ سے زیادہ
معزز ہے، یہ عالم مجھ سے علم میں زیادہ ہے، یہ طالب علم مجھ سے زیادہ عالم ہے ـــــ دیہاتوں کے معمولی اَن پڑھ
امام جب خطوط بھیجتے تو حضرتؒ بڑے ادب سے ان کے نام خط روانہ فرماتے اور پتہ پر حضرت العلامہ مولانا
کے القاب تحریر فرماتے، ناظم صاحبؒ اُن سے عرض کرتے کہ آپ جب انہیں ایسے القاب لکھتے ہیں تو اُن کے
پاؤں زمین پر نہیں لگتے، سب لوگوں سے کہتے پھرتے ہیں کہ دیکھو جی الشیخ الحدیث صاحب نے ہمیں حضرت العلامہ مولانا
کہا ہے۔ تو حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ ناظم صاحبؒ سے فرماتے کہ نہیں یہ حضرات بڑے عالم ہیں، ہم سے زیادہ
عالم ہیں ـــ تو ایسی تواضع وانکسار اور اپنے اساتذہ سے محبت، اساتذہ کا ادب و احترام ہی علم کی بنیاد اور خشتِ اوّل
ہے۔

ضرورتِ رابطہ اور نسبتِ علم | اگر آپ نے ادب ختم کر دیا تو پھر یہ نسبت حاصل نہیں ہوگی۔ یہ نور روضۂ اقدس
(علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) سے نکلی ہے، گنبدِ خضریٰ پاور ہاؤس ہے جیسے بجلی کا
پاور ہاؤس ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جبریل علیہ السلام کو نور دیا گیا انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو
نورِ وحی پہنچایا اور اب یہ علم دین کے نور کا پاور ہاؤس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل میں کائنات میں موجود ہے
اور ہم اس کے ساتھ اپنا کنکشن (تعلق) جوڑنا چاہتے ہیں ـــــ ابھی آپ نے شیخ الحدیث حضرت مولانا
مفتی محمد فرید صاحب مدظلہ سے مختلف نام سنے۔ زید، عمرو، ابوبکر، عبدالرحمٰن وغیرہ، تو حدیث سے ان ناموں کا
کیا تعلق ہے؟ یہ سب کھمبے ہیں ـ آپ جب پاور ہاؤس سے بجلی لینا چاہیں تو پہلے کھمبے لگانے پڑیں گے،
اُن میں تار لگانی ہوگی، اس کے بعد ہم بجلی حاصل کر سکیں گے۔ اسی طرح دارالعلوم حقانیہ کے اساتذہ یہ ہمارے
اور آپ کیلئے بمنزلہ کھمبے کے ہیں پھر ان کے اساتذہ پھر اُن کے اساتذہ، الیٰ آخرہ
اسی طرح سندات جو آپ پڑھتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک تاکہ کنکشن (نسبت) قائم ہو جائے

تو یہ خالص روحانی نظام ہے کہ آپ کا کنکشن ہوگا تو وہ روشنی آئے گی، علم آئے گا۔

ادب واحترام اور اگر کنکشن کاٹ دیا کہ یہ تو ہم ویسے ہی کتاب پڑھتے ہیں، یہ استاد تو ہمارے مزدور ہیں تنخواہ لیتے ہیں، تو واللہ العظیم پھر آپ عالم نہیں بن سکتے۔ یہ تو انجینئر، لوہار یا بڑھئی یا مکینک وغیرہ استاد کے بارے میں یہ تصور کرتا ہے کہ میں اس سے ایک کمال حاصل کر رہا ہوں، لیکن یہ کمال تو روحانی و معنوی ہے، آپ کو روحانی کنکشن قائم رکھنا ہوگا انتہائی تعلق و رابطہ اور عظمت واحترام سے، تب کہیں جا کر وہ کنکشن کی تار صاف رہے گی کھمبا لگا رہے اور سب کچھ حاصل ہوگا۔ غبی سے غبی طالب علم جو کہ اساتذہ کا ادب کیا کرتے تھے، انکی خدمت کیا کرتے تھے، اپنے آپ کو بالکل مٹا رکھا تھا، مدرسہ کے ساتھ محبت تھی، ہم نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے اُن سے بڑے بڑے کام لے لیے آج وہ دین کی بڑی خدمت میں لگے ہوئے ہیں اور انتہائی ذہین، چالاک طلبہ جو بہت اُچھل کود کیا کرتے تھے، اُستاد کو اُستاد نہیں سمجھتے تھے، کتاب کو کتاب نہیں، مدرسہ کو مدرسہ نہیں مُہتمم کو مُہتمم نہیں سمجھتے تھے، واللہ میں نے ایسے ذہین طلبہ کو دیکھا ہے کہ جب یہاں سے گئے ہیں در بدر کی ٹھوکریں کھا رہے ہیں

یہاں دارالعلوم میں آج سے دو سال پہلے ایک طالب علم تھا انتہائی ذہین اور استعداد والا لیکن تھا گستاخ اور بے ادب! پورے درس نظامی پر اس کو عبور حاصل تھا، اُس کی ذہانت اور ذکاوت قابل رشک تھی، فراغت کے بعد میرے پاس آیا کہ ایک سفارشی خط دے دیجئے سکول ماسٹری کیلئے، میں نے کہا بدبخت! تُو تو بہت بڑا عالم بن سکتا ہے، تجھے کسی مدرسہ میں بھیج دیتا ہوں، یہ کام بالکل نہیں کرنا، تجھے تدریس کے لیے کسی مدرسہ میں بھیجتا ہوں، یہاں ہمارے ہاں تدریس شروع کردو ورنہ تمہاری صلاحیتیں ضائع ہو جائیں گی۔ وہ نہ مانا اور کہا جی یہ نہیں ہو سکتا۔ میں نے کہا آخر وجہ کیا ہے؟ کہا مجھے اس کام سے نفرت ہے، میں تدریس نہیں کروں گا، مجھے کہیں سکول ماسٹر لگوا دیں ___ ایسے بے شمار واقعات ہیں، اللہ کریم ایسے لوگوں کو محروم کر دیتے ہیں۔

اور آخری گذارش یہ ہے کہ اپنے اس قیمتی وقت کی قدر کریں، اگر خدانخواستہ آپ نے یہ وقت ضائع کر دیا تو پھر اس کی تلافی نہ ہو سکے گی خصوصاً دورۂ حدیث والوں پر تو بہت بڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے، پہلے طلبہ پریشان ہوتے تھے کہ حوائج ضروریہ بھی نہ ہوتی تھیں۔ لیکن اب تو وہ ذوق و شوق باقی نہیں رہا، اللہ تعالیٰ ہم کو بھی وہ ذوق شوق نصیب فرمادیں۔

پھر ایک بات یہ بھی ملحوظ رہے کہ دارالعلوم کسی کا ذاتی نہیں، ملک و بیرون ملک کے مخلصین ہیں جو آپ کی ضروریات کی تکمیل کے لیے تعاون کرتے ہیں، آپ سب کے لیے مغفرت، رفع درجات اور حل مشکلات کی دعا کیا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہمارے ان مہربانوں، سرپرستوں اور معاونین کے ساتھ اپنی وسعت رحمت کے شایان شان معاملہ فرماوے۔

آمین ثم آمین

حضرت علامہ مولانا محمد شہاب الدین ندوی بنگلور (انڈیا)

اسلامی شریعت کی معقولیت

اور اس پر تحقیقی کام کی ضرورت

قانون صرف خدا کا کیوں؟ اللہ تعالیٰ اس دنیا کا خالق و پروردگار ہے، اسی نے تمام انسانوں کو پیدا کیا اور ان کی ہدایت و راہنمائی کیلئے اپنے چند مخصوص بندوں (رسولوں) کو خصوصی دلائل و براہین دے کر بھیجا تاکہ لوگ سچائی کا راستہ اختیار کریں اور گمراہی سے بچیں۔ اس اعتبار سے تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی مشترکہ دعوت یہ تھی کہ لوگ ایک ہی خدا کو مانیں اور اس کے احکام کے مطابق اپنی زندگی گذاریں۔ احکام الٰہی کے اسی ضابطہ و مجموعہ کا نام دین و شریعت ہے۔ اللہ تعالیٰ چونکہ تمام انسانوں کا خالق اور پروردگار (رب) ہے، اس لیے حکم چلانا اور قانون سازی کرنا بھی اسی کے لیے سزاوار ہے، جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ (الاعراف ۵۴)	ہاں دیکھو پیدا کرنا اور حکم چلانا اسی کا کام ہے، اللہ بڑی خوبیوں والا ہے جو سارے جہاں کا رب ہے۔
اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ۔ (یوسف ۴۰)	حکم کرنا اللہ ہی کو زیب دیتا ہے اسی نے حکم دیا ہے کہ تم صرف اسی کی بندگی کرو یہی سیدھا طریقہ ہے۔

کیا اسلامی قانون فرسودہ ہے؟ موجودہ دور میں عام طور پر یہ تصوّر پایا جاتا ہے کہ دین و شریعت پرانے دور کی باتیں ہیں جن پر آج عمل کرنا بہت مشکل ہے۔ اور اس قسم کے خیالات کا اظہار زیادہ تر "روشن فکر" حلقوں میں کیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ آجکل جدید علوم نے اتنی ترقی کر لی ہے کہ اب ہر چیز فرسودہ اور آؤٹ آف ڈیٹ ہوتی جا رہی ہے، لہٰذا موجودہ "ترقی یافتہ" دور میں "پرانی" چیزوں کو چھوڑ کر "نئی" چیزوں کو اپنانا چاہیئے۔ اور اس قسم کی دعوت وہ لوگ دیتے ہیں جو یا تو دین و شریعت کی حقیقت سے واقف نہیں ہوتے اور ان کے ذہنوں میں دین و شریعت کا ایک تنگ سا مفہوم ہوتا ہے جس کی بنا پر وہ سمجھتے ہیں کہ احکام الٰہی غیر معقول و غیر متوازن ہیں اور وہ موجودہ دور کے تقاضوں سے مطابقت نہیں رکھتے، یا وہ ایسے لوگ ہوتے ہیں جو

اسلامی قانون سے بغض و عداوت رکھتے ہیں اور محض تعصب یا سیاست کاری کی بنا پر اس کی مخالفت کو ضروری سمجھتے ہوئے اس کے نام ہی سے چڑتے اور ناک بھوں چڑھاتے ہیں۔

اسلامی قانون کا سرچشمہ تو جہاں تک اسلامی قانون یا احکام خداوندی کے غیر معقول و غیر موزوں ہونے کا تعلق ہے تو یہ ایک بے بنیاد دعویٰ ہے جو قانون خداوندی سے ناواقفیت کا نتیجہ ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اسلامی قانون ہر دور کے لیے موزوں اور قابل عمل ہے اور وہ موجودہ ترقی یافتہ دور میں بھی اتنا ہی ضروری ہے جتنا کہ چودہ سو سال پہلے تھا۔ یہ کوئی خوش فہمی یا شاعری نہیں بلکہ حقیقت واقعہ ہے۔ کیونکہ یہ احکام و قوانین اس خدائے علیم و خبیر کی جانب سے نازل کیے گئے ہیں جو نہ صرف اس کائنات کا خالق و رب ہے بلکہ وہ ازل تا ابد ہر دور کی ضرورتوں اور اس کے تقاضوں سے بھی پوری باخبر ہے۔

حٰمٓ ۚ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ۙ (المومن ۲۱)	یہ کتاب اللہ کی جانب سے اتاری ہوئی ہے جو (سب پر) غالب اور ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے۔
الٓرٰ ۚ كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ ۙ (ھود ۲۱)	یہ ایسی کتاب ہے جس کی آیتیں (علمی اعتبار سے) مضبوط و مستحکم کردی گئی ہیں پھر ان کی تفصیل خدائے دانا و باخبر کی جانب سے کی گئی ہے۔

قرآنی آیتوں اور اس کے احکام کو مضبوط و مستحکم کرنے کا مطلب یہ ہے کہ عصری علوم و فنون کے ارتقاء کے باعث علمی اعتبار سے انہیں کوئی خطرہ لاحق نہیں ہو سکتا اور فلسفہ و منطق کی رو سے ان کی معقولیت و برتری کو چیلنج کر کے انہیں ناکارہ ثابت نہیں کیا جا سکتا بلکہ یہ آیات و احکام ہر دور کے عقلی و علمی معیاروں پر پورے اُترتے اور عصری علوم و فنون کی کسوٹی میں کھرے ثابت ہوتے رہیں گے۔ اس اعتبار سے خدائی احکام و اوامر اہل ایمان کے لیے ہر دور میں باعث ہدایت و رحمت رہیں گے اور ان کی جدت و تازگی میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔

وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ عَلٰى عِلْمٍ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝ (الاعراف ۵۲)	اور ہم نے ان کے پاس ایک ایسی کتاب پہنچا دی ہے جسے ہم نے اپنے علم (کامل) کے ذریعہ (ہر چیز کی) تفصیل کر دی ہے جو اہل ایمان کے لیے ہدایت و رحمت ہے۔

ان آیتوں کی تصریح کے مطابق قرآن حکیم کے مضامین و مندرجات علم و حکمت پر مبنی ہیں اور وہ خدائی علم و حکمت کے مظاہرہ کا ایک واضح نمونہ ہیں۔ ظاہر ہے کہ سینکڑوں ہزاروں سال بعد کوئی ایسا ضابطہ حیات

اس دعوے کے ساتھ پیش کرنا کہ اس کے احکام و اوامر کبھی ناکارہ اور فرسودہ نہیں ہوں گے، کسی بھی انسان کی طاقت و وسعت سے باہر ہے۔ انسانی لٹریچر کی تاریخ میں اس قسم کا دعویٰ نہ تو اب تک کسی نے کیا ہے اور نہ کسی قانون و ضابطہ کو کبھی دوام حاصل ہو سکا ہے، اور پھر قانون بھی کیسا؟ وہ جو ہر اعتبار سے کامل اور بے عیب ہو اور جس میں ترمیم و اضافہ کی کبھی ضرورت محسوس نہ کی گئی ہو! یقیناً قانون و شریعت کی تاریخ میں یہ پہلی اور آخری مثال ہے، اور اس بے مثال مظاہرہ سے اسلامی قانون و شریعت کا معجزہ اور خدائی راہنمائی کا اعجاز ثابت ہوتا ہے۔

اسلامی قانون میں علم و حکمت کا مظاہرہ

اسلامی قانون جہاں ایک طرف کامل اور بے عیب ہے یعنی اس میں اس قدر جامعیت پائی جاتی ہے کہ اس میں ہر دور کی رعایت کرتے ہوئے اسے ایک کلیاتی شکل میں وضع کیا گیا ہے تو دوسری طرف اسے علمی و عقلی بنیادوں پر بھی مضبوط و مستحکم کر دیا گیا ہے تاکہ وہ ہر دور کی عقلی موجوں اور فلسفوں کا بخوبی مقابلہ کر سکے۔ اس اعتبار سے جس دور میں بھی انسان اس قانون کو علم و عقل کی کسوٹی پر پرکھنے کے لیے بیٹھے گا تو وہ خدائی علم و دانش اور اس کے بے مثال مظاہرہ کو دیکھ کر مبہوت و ششندر رہ جائے گا۔ چنانچہ قرآنِ مجید میں جہاں جہاں شرعی امور و مسائل کا تذکرہ ہے ان میں سے بعض مقامات پر خصوصیت کے ساتھ اہلِ علم کو ان پہلوؤں پر غور کرنے اور خدائے علیم و خبیر کی حکمت و دانائی کا حال آشکارا کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔ مثال کے طور پر دیکھئے سورۂ بقرہ میں جہاں پر نکاح، طلاق، خلع، اور عدت وغیرہ کے متعدد احکام بیان کرنے کے بعد ارشاد ہوتا ہے:۔

وَتِلْكَ حُدُودُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ○ (البقرہ ۲۳۰)

اور یہ اللہ کی حدود ہیں جنہیں وہ علم رکھنے والوں کے لیے وضاحت کے ساتھ بیان کرتا ہے۔

اس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ اہلِ علم کو ان احکام و مسائل میں غور و خوض کر کے خدائی حکمت و دانش اور قانون سازی میں اس کی دقت آفرینی کا پتہ چلانا چاہیے جس کے بعد خدائی قانون و شریعت کا معجزہ ظاہر ہو سکتا ہے۔ اور پھر چونکہ یہ عمل کسی مذہب کی صداقت ثابت کرنے کا ایک فطری اور سائنٹیفک طریقہ بھی ہے اس لیے اس فطری طریقے سے اسلام کی حقانیت و برتری بھی ثابت ہو سکتی ہے۔

اس سلسلے کی چند مزید آیات ملاحظہ ہوں جو مختلف شرعی احکام و مسائل کے بعد خاص طور پر بطور تنبیہ وارد ہوئی ہیں۔

كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ○ (الاعراف ۳۲)

اسی طرح اہلِ علم کے لیے ہم (اپنے) احکام تفصیل سے بیان کرتے ہیں۔

وَنُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝
(التوبہ ۱۱)

جاننے والوں کے لیے ہم اپنے احکام کھول کھول کر بیان کرتے ہیں۔

كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝
(النور ۵۹)

اسی طرح اللہ تمہارے لیے اپنے احکام وضاحت کے ساتھ بیان کرتا ہے اور اللہ جاننے والا اور حکمت والا ہے۔

اس اعتبار سے اسلامی قوانین انتہائی معقول اور مدلل ہیں جن میں بے عقلی اور فرسودگی کا کوئی دخل نہیں ہے اور ان پر دقیانوسیت کی چھاپ کبھی نہیں لگ سکتی کیونکہ وہ خدائے علیم وخبیر کی جانب سے نازل شدہ ہونے کی بناء پر کبھی متزلزل نہیں ہو سکتے بلکہ علمی اعتبار سے وہ ہمیشہ مستحکم رہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شرعی احکام ومسائل کے تذکرہ کے بعد عموماً بطور تذکیر و یاددہانی اپنے علم ودانائی کی طرف خصوصی توجہ مبذول کرائی ہے۔

ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝
(الحج ۵۲)

پھر اللہ اپنی آیتوں کو مضبوط کرتا ہے اور وہ بڑا ہی جاننے والا اور حکمت والا ہے۔

عقل سے کام نہ لینے والوں کی مذمت

دنیا میں بہت سے مذاہب ایسے ہیں جن میں عقل کا کوئی دخل نہیں ہے بلکہ ان میں عقل کا نام لینا بھی گناہ اور جرم تصور کیا جاتا ہے اور ہر چیز پر آنکھیں بند کر کے عمل کرنا پڑتا ہے، اگر کسی نے ذرا سا بھی احتجاج کیا تو اس پر بے دینی کا فتویٰ لگا کر اسے دین سے باہر کر دیا جاتا ہے۔ مگر دنیا میں صرف ایک ہی مذہب ایسا ہے جس میں علم وعقل کی آزادی ہے اور وہ ہے اسلام! چنانچہ اسلام صرف علم وعقل کی آزادی ہی عطا نہیں کرتا بلکہ وہ بے عقلی جمود اور اندھے عقیدوں کی سخت مذمت کرتے ہوئے اور نوع انسانی کو عقل سے کام لینے اور حقائق کا گلا نہ گھونٹنے کی پرزور اپیل کرتے ہوئے یہاں تک کہتا ہے کہ عقل ودانش سے کام نہ لینے والے اندھے، بہرے اور گونگے ہیں۔

صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝
(البقرہ ۱۷۱)

(اپنے باپ دادا کی اندھی تقلید کرنے والے) بہرے گونگے اور اندھے جو کچھ بھی نہیں سمجھتے۔

بلکہ قرآن مجید میں ایسے لوگوں کو جانوروں اور چوپایوں سے بدتر قرار دیا گیا ہے:۔

اِنَّ شَرَّ الدَّوَاۗبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝
(الانفال ۲۲)

یقیناً جانوروں میں سب سے بدتر اللہ کے نزدیک وہ (انسان نما جانور) ہیں جو بہرے اور گونگے ہیں اور وہ کچھ بھی نہیں سمجھتے۔

اسلام میں عقل کا درجہ اس لحاظ سے اسلام اور اسلامی قوانین پر جمود، بے عقلی اور اندھے پن کی پھبتی کبھی کسی نہیں جا سکتی۔ واقعہ یہ ہے کہ اسلام نے علم و عقل، غور و فکر اور تحقیق و جستجو پر جتنا زور دیا ہے اتنا دنیا کے کسی بھی مذہب نے نہیں دیا۔ چنانچہ وہ جس طرح مظاہر کائنات میں غور و فکر کر کے نئے نئے علوم و مسائل کی تدوین کرنے پر زور دیتا ہے بالکل اسی انداز میں خالص دینی و شرعی احکام و مسائل میں بھی غور و خوض کر کے ان میں ودیعت شدہ حکمتیں، مصلحتیں اور عقلی محاسن تلاش کرنے کی پُرزور تاکید کرتا ہے۔ چنانچہ اسی سلسلے کی چند آیات ملاحظہ ہوں جو متعدد شرعی احکام و مسائل کے تذکرہ کے بعد خصوصیت کے ساتھ مذکور ہیں اور ان میں لفظ عقل (تَعْقِلُوْنَ کی شکل میں) خاص طور سے لایا گیا ہے، اور یہ آیات بطور تنبیہ کے اسلوب بدل بدل کر پیش کی گئی ہیں:-

كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ (البقرہ ۲۴۲)	اسی طرح اللہ تمہارے لیے اپنے احکام کی وضاحت کرتا ہے تاکہ تم سمجھ لو۔
قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ (آل عمران ۱۱۸)	ہم نے تمہارے لیے احکام کی وضاحت (اچھی طرح) کر دی ہے اگر تم سمجھ سے کام لے سکو۔
ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ (الانعام ۱۵۱)	وہ تمہیں اس بات کی تلقین کرتا ہے تاکہ تم سمجھ سکو۔
كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ (النور ۶۱)	اسی طرح اللہ تمہارے لیے احکام بیان کرتا ہے تاکہ تم (اچھی طرح) سمجھ جاؤ۔
قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ (الحدید ۱۷)	ہم نے تمہارے احکام کی وضاحت کر دی ہے تاکہ تم سمجھ سے کام لو۔

مسلمانوں کے ذمہ ایک فرض کفایہ اس موقع پر ایک علمی حقیقت یہ بھی پیش نظر رہے کہ مذکورہ بالا تمام آیات میں خطاب اہل ایمان سے ہے جو "مخاطب" کے صیغہ کے ساتھ ہے۔ اس کے برعکس قرآن حکیم کی وہ آیات جو نظام فطرت سے متعلق ہیں اُن کی رُو سے مظاہر کائنات میں غور و فکر کرنے اور ان میں ودیعت شدہ حقائق و معارف کو اجاگر کرنے کے لیے جو خطاب "اہل عقل و دانش" سے کیا گیا ہے وہ "غائب" کے صیغہ کے ساتھ ہے، مثلاً:-

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝ (الرعد ۴)	اس باب میں سمجھنے والوں کے لیے چند نشانیاں (دلائل ربوبیت) موجود ہیں۔

كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝ (الروم ـ ۲۸) | اسی طرح ہم (نظامِ فطرت سے متعلق اپنی) نشانیاں سمجھ رکھنے والوں کو کھول کھول کر بیان کرتے ہیں ۔

واضح رہے کہ قرآنِ مجید میں مخاطب کا صیغہ زیادہ تر اپنوں (اہلِ اسلام) کے لیے اور غائب کا صیغہ عموماً غیروں کے لیے لایا گیا ہے ۔ اس اعتبار سے مذکورہ بالا آیات کا مطلب یہ ہوا کہ نظامِ فطرت سے متعلق حقائق کا انکشاف غیر مسلموں کے ذریعہ بھی ہو سکتا ہے اور اس علم کا صرف اہلِ اسلام کے ساتھ مخصوص رہنا ضروری نہیں ہے جیسا کہ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے ، مگر جہاں تک نظامِ شریعت کے حقائق و معارف کا تعلق ہے تو ان کا انکشاف صرف اہلِ اسلام ہی کر سکتے ہیں ، کیونکہ اہلِ اسلام کو اپنے دین و شریعت سے جو جذباتی لگاؤ ہوتا ہے وہ دوسروں کو نہیں ہو سکتا ۔ لہٰذا یہ اہلِ اسلام کے ذمہ ایک فرضِ کفایہ ہے کہ وہ اپنے دین و شریعت کے محاسن ، اس کی عقلی خوبیاں اور احکامِ الٰہی کی حکمتیں منظرِ عام پر لائیں اور اپنے دینی اقدار کی صداقت و حقانیت سے نوعِ انسانی کو روشناس کرائیں تاکہ اس کے ذہن و فکر کی تعمیر ہو اور وہ دینِ الٰہی کا روشن و تابناک چہرہ دیکھ سکے ۔

قانونِ فطرت و قانونِ شریعت حاصل یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلامِ ابدی میں مسلمانوں کی توجہ خصوصی طور پر علم و عقل کی طرف مبذول کراتے ہوئے انہیں روشن فکری اور روشن خیالی سے روشناس کرایا ہے اور ہر چیز کا حقیقت پسندانہ نقطۂ نظر سے جائزہ لینے کی دعوت دی ہے ۔ چنانچہ وہ ایک طرف نظامِ فطرت کے اسباق و بصائر کو منظرِ عام پر لانے کی تاکید کرتا ہے تو معاً دوسری طرف نظامِ شریعت میں ودیعت شدہ رموز و اسرار بھی بے نقاب کرنے پر زور دیتا ہے ۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ نظامِ فطرت یا انکشافِ جدیدہ کسی بھی طرح نظامِ شریعت یا احکامِ خداوندی کے خلاف نہیں ہیں ۔ بالفاظِ دیگر جدید سائنسی تحقیقات کسی بھی لحاظ سے دین و شریعت کی ضد نہیں ہو سکتیں ، جیسا کہ بعض لوگوں کا غلط نظریہ ہے بلکہ اس کے برعکس جدید تحقیقات و انکشافات کے ذریعہ دین و شریعت کے بہت سے اسرار و حقائق منظرِ عام پر آ رہے ہیں جن کے ملاحظہ سے اسلامی عقیدہ اور اسلامی تعلیمات کا ایک نیا اعجاز سامنے آتا ہے ۔ لہٰذا اہلِ اسلام کو جدید علوم و مسائل اور جدید تحقیقات و جدید علوم و فنون کی روشنی میں اسلامی عقیدہ و شریعت کی صداقت و برتری کا اثبات کر کے عالمِ انسانی کی صحیح راہنمائی کرنے کی ضرورت ہے اور آج عالمِ انسانی اس باب میں ہماری راہ دیکھ رہا ہے اور وہ انتظار میں ہے ۔

واقعہ یہ ہے کہ نظامِ فطرت اور نظامِ شریعت کی تطبیق و ہمنوائی سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ جس ہستی نے اس رنگا رنگ کائناتِ مادی کی تخلیق کی ہے اسی نے انسان کی راہنمائی کے لیے ایک ابدی اور دائمی قانون بھی وضع کیا ہے ۔ جس طرح فطرت کے اصولوں میں کوئی تبدیلی نہیں ہو رہی ہے بالکل اسی طرح

خدائے ذوالجلال کے وضع کردہ قوانین میں بھی کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ قانونِ فطرت جس طرح اپنی جگہ ایک سائنٹیفک اور بے عیب قانون ہے بالکل اسی طرح قانونِ شریعت بھی اپنی جگہ ایک سائنٹیفک اور بے عیب قانون ہے۔ اس مادی کائنات کے ملاحظہ سے نقاشِ فطرت کا تخلیقی کارنامہ ظاہر ہوتا ہے تو نظام شریعت کے جائزہ سے ایک تشریعی معجزہ سامنے آتا ہے، اور یہ دونوں انسانی عقل و دانش کو ورطۂ حیرت میں مبتلا کرنے کے لیے کافی ہیں، کیونکہ ان دونوں نظاموں میں انسانی کوششوں کا کوئی عمل دخل نہیں ہے ورنہ ان میں تغیر و تبدل اور ترمیم و اضافہ لازمی ہو جاتا۔

اہلِ علم کی ایک مخصوص جماعت | اس اعتبار سے اہلِ اسلام کے درمیان ایک ایسی مخصوص جماعت کا وجود ضروری ہے جو روشن فکر، صائب اور پختہ کار علماء پر مشتمل ہو۔ اور اس جماعت کا کام خاص کر جدید علوم و فنون کی روشنی میں دین و شریعت کے حقائق و معارف اور اس کے رموز و اسرار کی وضاحت کرنا اور علمی و عقلی اعتبار سے نظام شریعت کی حقانیت و برتری ثابت کرنا ہے تاکہ وہ ایک طرف جدید امور و مسائل میں اہلِ اسلام کی صحیح راہنمائی کرے تو دوسری طرف اقوامِ عالم کو اسلامی نظامِ حیات سے صحیح طور پر متعارف کراتے ہوئے ان پر اتمامِ حجت کر سکے۔ چنانچہ حسبِ ذیل آیات میں اہلِ ایمان کے درمیان ایک ایسی جماعت تشکیل دینے کی دعوت دی گئی ہے جو خاص کر عالمِ انسانی کی ہدایت و راہنمائی کے لیے ہو:-

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ أُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ۔ (آل عمران ۱۰۴)	اور تم مسلمانوں میں ایک (مخصوص) جماعت ایسی ہو جو (لوگوں کو) خیر کی طرف بلانے والی، انہیں معروف کا حکم کرنے والی اور منکر سے روکنے والی ہو۔
كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ۔ (آل عمران ۱۱۰)	تم بہترین اُمت ہو جو (دنیا کے تمام) لوگوں کے لیے بنائی گئی ہے (اور تمہارا منصب یہ ہے کہ) تم انہیں معروف (پہچانی ہوئی حقیقت) کا حکم کرو اور منکر (نا پہچانی ہوئی اور قابلِ ملامت بات) سے روکو۔

معروف و منکر کیا ہے؟ | اس موقع پر معروف اور منکر دو الفاظ بہت زیادہ قابلِ غور ہیں اور ان میں وسیع مفہوم پایا جاتا ہے۔ چنانچہ لفظ "معروف" میں صرف دینی و شرعی اعتبار ہی سے نہیں بلکہ علمی و عقلی اعتبار سے بھی جو بات یا جو حقیقت انسان کے لیے مفید اور کارآمد ہو سکتی ہو وہ بھی اس کے تحت آ سکتی ہے اسی طرح "منکر" میں دینی و شرعی اور عقلی اعتبار سے بھی ہر وہ چیز آ سکتی ہے جو انسانی معاشرہ کے لیے نقصان دہ اور مضرت رساں ہو۔ اس اعتبار سے جدید علوم و فنون کی روشنی میں دین و شریعت کی خوبیوں کو اجاگر کرنا گویا کہ

نوعِ انسانی کے سامنے "معروف" کو پیش کرتا ہے، اسی طرح دین و شریعت میں جن امور کی قباحت بیان کی گئی ہے انہیں جدید علوم و فنون کی روشنی میں بھی قبیح ثابت کرتا نوعِ انسانی کو منکرات سے رُکنے کی دعوت دیتا ہے۔ لہٰذا اگر دینی اقدار (کے VALUE) کو جدید علوم و فنون کی روشنی میں بھی "معروف" اور "منکر" ثابت کر دیا جائے تو یہ موجودہ دور کا سب سے بڑا اور تجدیدی کارنامہ ہوگا اور ہر دور کے مسلمانوں سے قرآن عزیز کا یہی مطالبہ ہے کہ وہ اپنے اپنے دور کے علوم و مسائل کی روشنی میں معروف اور منکر کی صحیح معنیٰ میں وضاحت کر کے عالمِ انسانی کو دینی اقدار سے روشناس کرائیں تاکہ وہ حیاتِ جاودانی سے ہمکنار ہو سکے۔

ظاہر ہے کہ یہ وقت کی ایک اہم ترین ضرورت ہے جو مسلمانوں کے ذمّہ فرض کفایہ ہے۔ اگر اس فرض کی ادائیگی میں تمام مسلمان ناکام ہو جائیں تو پھر سب کے سب گنہگار ہو جائیں گے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے دینِ متین کا غلبہ تلوار اور توپ کے ذریعہ نہیں بلکہ دلیل و استدلال کے میدان میں کرنا چاہتا ہے، جیسا کہ ارشادِ باری ہے:

هُوَ الَّذِىٓ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَهٗ بِالۡهُدٰى وَدِيۡنِ الۡحَـقِّ لِيُظۡهِرَهٗ عَلَى الدِّيۡنِ كُلِّهٖ ۙ (التوبہ ۳۳)	وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دینِ حق دے کر بھیجا تاکہ اسے تمام ادیان پر غالب کر دے۔
لِئَلَّا يَكُوۡنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌ (النساء ۱۶۵)	تاکہ لوگوں کا اللہ پر الزام نہ رہے۔
قُلۡ فَلِلّٰهِ الۡحُجَّةُ الۡبَالِغَةُ (الانعام ۱۴۹)	کہہ دو کہ اللہ ہی کی حجت ہمیشہ غالب رہے گی۔

تو اللہ کی یہ حجت ہمیشہ علم و عقل اور دلیل و استدلال ہی کے میدان میں پوری ہو سکتی ہے۔ ایک فلسفہ کا مقابلہ فلسفہ ہی کر سکتا ہے اور عقل کا مقابلہ عقل ہی کر سکتی ہے۔ اگر کسی نے عقلی دلیل کے جواب میں پتھر استعمال کیا تو ممکن ہے وہ شخص اپنے مخالف کا سر پھوڑ ڈالے لیکن عقل اسے جائز قرار نہیں دے سکتی اور دنیا کبھی اس کی بڑائی تسلیم نہیں کر سکتی بلکہ اس فعل کو عقل کے مقابلے میں اس شخص کی ہار قرار دی جائے گی۔

ایک شریعت ہاؤس کا قیام ضروری ہے

حاصل بحث یہ کہ اسلامی شریعت پر تحقیقی کام کر کے شرعی احکام و مسائل کی عقلی خوبیاں اور ان کے محاسن جدید علوم و فنون کی روشنی میں اُجاگر کرنا وقت کی ایک اہم ترین ضرورت ہے، کیونکہ احکام شریعت سراپا علم اور سراپا عقل ہیں جنہیں کسی بھی دور میں علمِ انسانی منطقِ صحیح کی بنیاد پر مہمل یا ناکارہ ثابت نہیں کر سکتا بلکہ وہ ہر دور میں علم و عقل کی کسوٹی پر

پورے اُترتے ہیں۔ کیونکہ نظامِ فطرت اور نظامِ شریعت میں کسی قسم کا تعارض وتضاد موجود نہیں ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ دونوں ہی نظام اور ان کے اصول وضوابط ایک ہی سرچشمۂ ہدایت سے صادر ہوئے ہیں، یعنی اصولِ فطرت کو جس ہستی نے ترتیب دیا ہے اُسی نے اصولِ شریعت بھی وضع کیے ہیں، لہٰذا ان دونوں میں اختلاف اور تصادم کس طرح ہو سکتا ہے؟

یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلامِ ابدی میں خصوصیت کے ساتھ اس کی تاکید کی ہے کہ پختہ کار ہلِ علم اسلامی شریعت کے احکام ومسائل میں غور وخوض کریں تاکہ ان کے اسرار ورموز منظرِ عام پر آسکیں، ن کے ملاحظہ سے ربانی علم وحکمت کا حال نوعِ انسانی پر آشکارا ہو، وہ علم وحکمت جو اس کے علمِ ازلی کے ظہر اور اس کی ازلی منصوبہ بندی کی نمائندگی کرتے ہیں۔

چنانچہ تحقیقاتِ جدیدہ کے ذریعہ اس کائنات اور اس کی اندرونی مشنری سے متعلق جو بھی اسرار ومعارف نکشف ہو رہے ہیں اُن کے ذریعہ احکامِ شریعت کی تصدیق وتائید ہو رہی ہے اور اس مظاہرہ سے دائی منصوبہ کا حال آشکارا ہو رہا ہے۔

كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَفَكَّرُوْنَ ۝
(البقرہ ۲۱۹)

اسی طرح اللہ تمہارے لیے (اپنے) احکام کھول کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم (ان میں) غور کرو۔

نیز اس سلسلے میں ایک عمومی کلیہ کے طور پر فرمایا گیا ہے:

مَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ۔
(البقرہ ۲۶۹)

اور نصیحت عقل والے ہی متنبہ ہو سکتے ہیں۔

تٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ يَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا لْاَلْبَابِ ۝
(ص ۲۹)

یہ ایک برکت والی کتاب ہے جو ہم نے آپ کے پاس بھیجی ہے تاکہ لوگ اس کی آیتوں میں غور کریں۔ اور دانشمند اس کے انوکھے مضامین دیکھ کر متنبہ ہو سکیں۔

لہٰذا فرقانیہ اکیڈمی ٹرسٹ نے فیصلہ کیا ہے کہ بنگلور (انڈیا) میں شریعت ہاؤس کے نام سے یک ایسا وسیع اور تحقیقی مرکز قائم کیا جائے جس کے ماتحت اسلامی شریعت پر خصوصیت کے ساتھ قیقی کام کر کے مذکورہ بالا مقاصد کو بروئے کار لایا جائے۔ قابل اور باصلاحیت علماء کی ایک جماعت جنہیں رفقائے کار کی حیثیت سے ادارہ کی جانب سے وظائف دیئے جائیں اور انہیں شریعت

کے مختلف پہلوؤں پر تحقیقی کام کے لیے مقرر کیا جائے ـــــ نیز یہ جماعت باہمی تعاون سے جدید مسائل و موضوعات میں بھی اجتہاد کر کے امتِ مسلمہ کی صحیح اور بر وقت راہنمائی کرتی رہے۔

موجودہ دور کے تقاضوں کے مطابق یہ ایک اہم ترین منصوبہ ہے جس کی تکمیل کے لیے تمام جماعتوں اور تمام مسالک کے لوگوں کو دامے درمے سخنے تعاون و اشتراک کرنا ضروری ہے، کیونکہ یہ اسلام اور مسلمانوں کی بقاء کا مسئلہ ہے ـــــ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ خیر اور بھلائی کے کاموں میں مسلمانوں کو آپس میں ایک دوسرے کا ساتھ دینا چاہیئے:-

وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ - (المائدہ ۲:۴)	(اے مسلمانو!) تم آپس میں نیکی اور پرہیزگاری (کے کاموں میں) ایکدوسرے کی مدد کرو۔

قومی خدمت ایک عبادت ہے

اور

سروس انڈسٹریز اپنی صنعتی پیداوار کے ذریعے

سال ہا سال سے اس خدمت میں مصروف ہے

قدم قدم حسین قدم قدم آگے

تحقیق و تنقید

(۲)

ڈاکٹر محمد یٰسین مظہر صدیقی

ازواج مطہرات کے مکانات

ایک تجزیاتی مطالعہ

ج ۔ مکانات ازواج مطہرات کی سمت

ایک اہم بحث جو اصل مسئلہ پر بھی کافی روشنی ڈالتی ہے یہ ہے کہ ازواج مطہرات کے مکانات مسجد نبوی کے کس رخ یا کن پہلوؤں پر واقع تھے۔ ابن سعد نے واقدی کی یہ روایت
ابن ابی الرجال سے اور انہوں نے اپنے والد ابو الرجال سے اور انہوں نے اپنی ماں سے نقل کی ہے کہ تمام منازل ازواج نبوی بائیں پہلو میں ہوتے تھے اگر نمازی منبر نبوی کے سامنے امام کی طرف منہ کر کے کھڑا ہوتا ۔

واقدی ہی کی دوسری روایت جو عبد اللہ بن یزید ہذلی کی سند سے مروی ہے یہ بتاتی ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے جب اپنی امارت مدینہ کے دوران ان کو منہدم کیا تو انہوں نے نو گھر ان کے حجروں سمیت (تسعۃ ابیات بحجرہا) گنے تھے اور وہ سب کے سب حضرت عائشہؓ کے گھر (بیت) اور مسجد کے اس دروازے تک تھے جو باب النبی کے قریب تھا اور راوی کے زمانہ میں حضرت اسماء بنت حسن بن عبد اللہ بن عبید اللہ کے گھر (منزل) تک پھیلے ہوئے تھے۔ سمہودی نے اس روایت پر دوسری روایات و احادیث کی روشنی میں خاصی مفصل بحث کی ہے۔ اول واقدی کی مذکورہ بالا روایت بیان کر کے اس کی تشریح کی ہے کہ باب نبوی سے متصل جو ذکر اس میں آیا ہے اس سے مراد باب رحمت ہے۔ اور اسماء بنت حسن کے مکان تک وسیع ہونے کا مطلب یہ ہے کہ بعض مکانات مسجد کی سمت سے خارج تھے کیونکہ اسماء بنت حسن کا مکان اس دروازہ کے مقابل تھا جو شامی جانب باب النساء سے متصل تھا۔ ابن سعد نے اپنی ایک روایت میں واضح کیا ہے کہ چھ امہات المومنین حضرت ام سلمیٰ، حضرت ام حبیبہ بنت ابی سفیان، حضرت زینب بنت خزیمہ، حضرت جویریہ بنت الحارث، حضرت میمونہ بنت الحارث اور حضرت زینب بنت جحش کے مکانات شامی سمت میں تھے اور تین امہات المومنین حضرت عائشہ، حضرت صفیہ اور حضرت سودہ کے مکانات دوسرے پہلو میں تھے۔

سمہودی نے اپنے ہاں اس روایت کو اس فصل میں نظر انداز کر دیا ہے حالانکہ وہ ازواج مطہرات کے مکانات کی سمتوں میں کافی مدد کرتی ہے۔ البتہ انہوں نے پہلے یہ شبہ وارد کیا کہ اس بہت تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے

کے زمانہ میں مسجد نبوی وسیع نہ تھی۔ پھر حضرت فاطمہ کے مکان کے بارے میں جو روایت وارد ہوئی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسجد نبوی باب مذکور تک پھیلی ہوئی تھی۔ کیونکہ سمہودی کے خیال کے مطابق حضرت فاطمہ کا مکان اسی مذکورہ دروازہ پر ختم ہوتا تھا۔ اس سے یہ احتمال ہوتا ہے کہ مسجد نبوی اس باب تک نہ صرف وسیع تھی بلکہ بعض مذکورہ بالا مکان مسجد کے مقابل (محاذاۃ میں) تھے۔ اس کے بعد انہوں نے صحیح بخاری وغیرہ کی بعض روایات سے اس سلسلے میں استناد کیا ہے اس پر تھوڑی سی بحث ذرا بعد میں کریں گے۔

ابن سعد کی جس روایت میں چھ اور تین امہات المومنین کے مکانات کی جو بالترتیب تعیین کی گئی ہے ذرا اس پہ ایک نظر ڈالنا ضروری ہے کہ اس سے ازواج مطہرات کے مکانات کی تعمیر سے متعلق زیر بحث مسئلہ اور واضح ہوگا۔ ابن سعد کی پہلی روایت جو واقدی نے مالک بن ابی الرجال سے نقل کی ہے وہ واقدی کی نگاہ میں ابعد غیر ممکن و ناقابل قبول ہے۔ کیونکہ عوث بن حارث کی روایت کے مطابق تمام نو ازواج مطہرات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جمع نہیں ہو سکیں حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا آپ کے پاس حضرت ام سلمیٰ کے آنے سے قبل تھیں۔ اور ان کی وفات کے بعد حضرت ام سلمیٰ سے آپ نے شادی کی۔ اور ان کے گھر میں حضرت ام سلمیٰ کو بسا دیا۔ پھر اسی سنہ میں آپ نے حضرت زینب بنت جحش سے شادی کی اور حضرت سودہ اور حضرت عائشہ اور تمام دوسری امہات المومنین پہلے آپ کے حبالۂ نکاح میں تھیں۔ حضرت سودہ اور حضرت عائشہ آپ کی مدینہ تشریف آوری کے بعد آئیں۔ حضرت ام حبیبہ بنت ابی سفیان ۷ھ میں آپ کے نکاح میں آئیں اور اسی برس حضرت صفیہ سے آپ کا نکاح ہوا اور حضرت حفصہ، حضرت ام سلمیٰ اور حضرت زینب بنت خزیمہ اس سے قبل نکاح میں آچکی تھیں۔

یہ روایت یہیں ختم ہو جاتی ہے مگر اس میں حضرت میمونہ بنت حارث کا ذکر نہیں ہے جن سے غزوہ مریسیع کے بعد ۵ھ یا ۶ھ میں شادی کی تھی۔ لہذا مختلف مکانات کی تعداد زمانہ کے لحاظ سے مختلف تھی۔

سمہودی نے ایک روایت ابن زبالہ کے حوالہ سے محمد بن ہلال کی نقل کی ہے۔ موخر الذکر نے اپنی آنکھ سے مکانات ازواج مطہرات کو دیکھا تھا جو سمت قبلہ میں اور مشرق میں اور شامی سمت میں پھیلے ہوئے تھے اور مسجد نبوی کے غرب میں ان میں سے کوئی نہ تھا اور حضرت عائشہ کے مکان کا دروازہ شامی سمت کے رخ پر تھا۔ عبداللہ بن زید ہذلی اور بعض اور رواۃ کی روایات سے اس روایت کی تصدیق ہوتی ہے جو حضرت سودہ اور حضرت عائشہ اور حضرت صفیہ کے مکانات کی سمت دوسری بتاتی ہے اور بقیہ ازواج مطہرات کے مکانات کی سمت دوسری۔ اس روایت میں حضرت حفصہ کے مکان کی سمت بلکہ اس کی موجودگی تک کا حوالہ نہیں ہے۔ اور اس کی تاویل یہ کی جا سکتی ہے کہ حضرت ام سلمیٰ اور حضرت زینب بنت خزیمہ کا مکان تو مالک بن ابی الرجال کی روایت پر نقد واقدی کے مطابق ایک تھے اور اس لحاظ سے ان کی تعداد صحیح ہو جاتی ہے۔ جہاں تک حضرت حفصہ کے مکان کی سمت و مقام کا تعلق ہے وہ

حضرت عائشہ کے مکان سے متصل تھا جیسا کہ امام بخاری کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک بار حضرت عائشہ کے گھر تشریف فرما تھے جب آپ نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے گھر (بیت) میں داخل ہونے کے لئے کسی مرد کی اجازت مانگنے کی آواز سنی۔ بعد میں آواز سن کر معلوم ہوا کہ وہ حضرت حفصہ کے رضاعی بھائی کی آواز تھی۔

اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کا مکان بھی سمت قبلہ کی طرف تھا۔ بہرحال روایات کے تجزیہ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ حضرت سودہ اور حضرت عائشہ کے مکان کی سمت الگ تھی اور بقیہ مکانات کی سمت دوسری۔ جہاں تک حضرت صفیہ کے مکان کا تعلق ہے وہ حضرت سودہ اور حضرت عائشہ کے مکانات کی سمت میں تھا تاہم ان سے متصل نہ تھا بلکہ کافی فاصلے پر یا خاصی دوری پر تھا۔

امام بخاری، ابوداؤد اور سمہودی کے مطابق حضرت صفیہ ایک بار رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کے لئے رات کے وقت مسجد نبوی تشریف لائیں، جہاں آپ معتکف تھے۔ واپس ہونے لگیں تو آپ ان کو حفاظت کی غرض سے گھر کے دروازے تک پہنچانے گئے۔ ان کا مسکن دار اسامہ بن زید میں تھا۔ اور وہاں انصار کے دو آدمیوں سے ملاقات ہوئی۔ اور آپ نے اپنی اہلیہ کے ساتھ ہونے کی وضاحت کی تاکہ کوئی غلط فہمی نہ ہو۔

روایت کے مطابق یہ واقعہ رمضان کے آخری عشرے کا ہے۔ سمہودی نے اس پر یہ تبصرہ کیا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہوا کہ حضرت صفیہ کا مکان ان حجروں میں نہیں تھا جو مسجد کے ارد گرد تھے (لم یکن مسکنہا فی الحجر المحیطہ بالمسجد) مزید کہا ہے کہ ابن شبہ نے حضرت اسامہ کے کسی گھر کے بنانے کا ذکر نہیں کیا البتہ یہ ضرور کیا ہے کہ ان کے والد نے دو گھر (دارین) بنائے تھے جن میں سے ایک مسجد کی توسیع کے وقت اس میں شامل کر دیا گیا اور شاید وہی مراد ہے اور اللہ بہتر جانتا ہے

یہاں ابن سعد کی اس روایت کا حوالہ بھی دہرایا جا سکتا ہے جس کے مطابق حضرت صفیہ کو شادی کے بعد حضرت حارثہ بن نعمان کے مکان میں اتارا تھا۔ اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت حارثہ کے مکانات مسجد کے احاطہ یا قرب و جوار سے ذرا فاصلے پر تھے اور کم از کم حضرت عائشہ اور حضرت سودہ کے مکانات ان کے عطیہ سے نہیں آئے تھے یہ بہرحال ایک قیاس و تخمینہ ہے اور تحقیق طلب ہے۔ ممکن ہے کہ تلاش و تفحص سے کچھ اور روایات دستیاب ہو جائیں اور تحقیق و تدقیق سے کچھ اور نتائج اخذ کئے جا سکیں اور ان کی بنا پر یہ بتایا جا سکے کہ حضرت حارثہ بن نعمان کے مکانات کا محل وقوع کیا تھا اور ان میں سے کتنے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج و اولاد اور دوسرے کے لئے پیش کئے گئے تھے۔ حضرت حارثہ کے مکانات سے متعلق روایات سے ان کی صحیح تعداد کا علم نہیں ہوتا۔ یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ مدینہ منورہ میں آپ نے جتنی نئی شادیاں کیں ان کے مکانات کی حتمی تعداد نہ معلوم ہو سکنے کے سبب یہ کہنا مشکل ہے

کہ چھ سات نبی شادیوں میں سے ہر موقع پہ ان کا مکان آپ کی ازواج مطہرات کے استعمال میں آیا تھا پھر یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ ایک روایت کی بنا پر ہمارے قدیم و جدید راویوں اور ناقدوں کے ہاں تعمیم کا رواج ہے کہ وہ ایک شہادت کی بنا پر اس کو اصول عام اور قاعدہ کلیہ بنا دیتے ہیں اور یہاں بھی ایسا ہی معلوم ہوتا ہے ۔

(د) حجرات نبوی کی تعمیری ساخت

اس بحث کا اہم پہلو ازواج مطہرات کے مکانات کی ساخت و تعمیری تفصیل کا تجزیہ بھی ہے کہ اس سے ایک طرف تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی ازواج کے حسن معاشرت، سادگی اور تصنع و تکلف سے عاری اسلامی تہذیب و تمدن پر روشنی پڑتی ہے ۔ تو دوسری اس عہد کے طرز تعمیر کی ایک جھلک سی دیکھنے کو ملتی ہے ۔ ابن سعد کے ہاں جو مختلف روایات وارد ہوئی ہیں ان میں سے ایک سے معلوم ہوتا ہے کہ مکانات (ابیات) میں چار میں اندرونی حجرے (حجر) تھے اور مکانات تو کچی اینٹوں (لبن) کے بنے ہوئے تھے جب کہ ان کے اندرونی حجرے کھجور کے تنوں / ٹہنیوں (جرید) سے بنائے گئے تھے اور ان پر مٹی کر دیا گیا تھا (مطینۃ) اس روایت کے آخری راوی عمران بن انس نے ان کی پیمائش بھی کی تھی ۔ اس سے تھوڑی مختلف عبداللہ بن زید ہذلی کی مذکورہ بالا روایت ہے ۔ جو ان مکانات کو ولید بن عبدالملک کی خلافت میں حضرت عمر بن عبدالعزیز کی امارت مدینہ کے زمانے میں ان کے انہدام کے وقت دیکھنے اور ملاحظہ کرنے کی وضاحت کرتی ہے ۔ اور یہ بتاتی ہے کہ نو کے نو مکانات حجروں سمیت تھے ۔ گھر تو کچی اینٹ کے تھے اور ان کے حجرے کھجور کی ٹہنیوں کے تھے جن پر مٹی کا لیپ کر دیا گیا تھا

(کانت بیوتا باللبن و لا حجر من جرید مطوس بالطین عددت تسعۃ ابیات بحجرھا

واقدی کی ایک اور روایت جو عبداللہ بن عامر اسلمی کے حوالہ سے ابوبکر بن حزم سے نقل کی گئی یہ بتاتی ہے اور انہوں نے اپنے مصلی میں عبداللہ اسلمی سے اسے روایت کیا تا کہ یہ مصلی جو قبر مبارک کے کنارے پر واقع ستون (اسطوانہ) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے کے راستے سے دوسری طرف متصل سمت کے درمیان تھا دراصل حضرت زینب بنت جحش کا مکان (بیت) تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس میں نماز پڑھا کرتے تھے ۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان گھروں (بیوت) کو میں نے کھجور کی ٹہنیوں کا پایا جن پر مٹی کا لیپ کر دیا گیا تھا ۔ ابن سعد نے اپنی ایک اور روایت میں جو قبیصہ بن عقبہ کے حوالے سے نجاد بن فروخ یربوعی کے واسطہ سے اہل مدینہ کے ایک شیخ نامعلوم کی سند پر مروی ہے یہ بتایا ہے کہ حجرے کھجور کی ٹہنیوں کے بنے ہوئے تھے (جرائد النخل) ۔ عمران بن انس کی ایک اور روایت ہے اس کی تائید ہوتی ہے کہ ازواج مطہرات کے حجرے کھجور کی ٹہنیوں (جرید النخل) کے تھے ۔

سمہودی کے ہاں بھی یہی اختلاف پایا جاتا ہے ۔ ابن زبالہ کی روایت میں تمام مکانات (بیوت) کو کھجور کی ٹہنیوں کا بتایا گیا ہے جب کہ عبداللہ بن یزید ہذلی کی روایت میں مکانات (بیوت) کچی اینٹوں (لبن) اور ان کے حجرے (حجر)

مٹی سے لیپ کئے ہوئے بتائے گئے ہیں۔ جیسا کہ اوپر ذکر آچکا ہے حضرت ام سلمٰی نے اپنے گھر (بیت) اور حجرے (حجرتہا) دونوں کو کچی اینٹوں سے بنا لیا تھا۔ سمہودی نے اسی طرح عمران بن ابی انس کی مذکورہ بالا دونوں روایات ذکر کی ہیں جن میں سے ایک سے چار مکانات کے اینٹوں سے اور ان کے حجروں کو کھجور کی ٹٹیوں سے اور پانچ گھروں کے بلا حجرے ہوتے اور کھجور کی ٹٹیوں سے بنے ہونے کا ذکر ہے۔ انہوں نے زرین کے حوالے سے عبداللہ بن یزید ہذلی کی ایک اور روایت آزادانہ بیان کی ہے جس کے تمام مکانات ازواج مطہرات کچی اینٹوں کے بنے ہوئے تھے۔ ان کے گرد کھجور کی ٹٹیوں کے حجرے تھے اور پھیلے ہوئے تھے سوائے حضرت ام سلمٰی کے حجرے کے۔ ابن کثیر نے سہیلی کا بیان نقل کیا ہے۔ کہ آپ کے مساکن کھجور کی ٹٹیوں کے تھے جن پر گارے کا لیپ تھا۔ ان کا کچھ حصہ پتھروں کو تلے اوپر رکھ کر بنایا گیا اور ان کی چھتیں سب کی سب کھجور کی تھیں۔ اس کے بعد انہوں نے بلا حوالہ یہ بھی کہا ہے کہ آپ کے حجرے شعر (کمبل) کے تھے جو عرعر کی لکڑی سے بندھے ہوئے تھے۔

ان روایات میں کافی الجھن پائی جاتی ہے مگر ان کے تجزیہ سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ازواج مطہرات کے مکانات کے دو حصے تھے ایک حصہ کچی اینٹوں کا بنا ہوا تھا اور دوسرا کھجور کی ٹٹیوں / شاخوں پتوں کا۔ جمع و تطبیق کی صورت میں چار مکانات اور پانچ مکانات کی تقسیم والی روایت خاص مان کر یہ کہا جا سکتا ہے کہ بعض صرف کچی اینٹوں کے تھے اور ان کے حجرے کھجور کے اور بعض صرف کھجور کے مکانات تھے اور ان کے حجرے نہیں تھے اور حضرت ام سلمٰی کا مکان و حجرہ دونوں اینٹوں کے تھے لیکن جن روایت میں آپ کے تعمیر کرانے کا ذکر آیا ہے وہ سب مکانات کو کچی اینٹوں کا بتاتی ہیں اور ان کی چھتوں کو کھجور کی شاخوں اور پتوں سے بنا ہوا قرار دیتی ہیں۔ ہمارے جدید مورخوں نے اس موضوع پر کسی نہ کسی ایک روایت کو قبول کرنے کی ریت اپنائی ہے۔

اوپر مذکور ہوئی مختلف روایات مآخذ اور متعدد بیانات متاخرین سے معلوم ہوتا ہے کہ ازواج مطہرات کے مکانات کے دو حصے تھے۔ ایک جس کو روایت میں بیت / بیوت / ابیات کہا گیا ہے جو گھر کے معنی میں ہے اور دوسرا حجرہ / حجر کہا گیا ہے اور اس کا بالعموم ترجمہ کمرے اور حجرے کیا گیا ہے۔ روایات سے یہ بالکل واضح ہوتا ہے کہ حجرے تو کھجور کے پتوں اور شاخوں کے تھے مگر مکانات / بیوت کچی اینٹوں کے تھے اور ان کے کچھ حصے ظاہراً بیرونی دیواروں کا کچھ حصہ پتھروں کا تہ بہ تہ جوڑ کر بنایا گیا تھا۔ دوسری بات یہ کہی گئی ہے کہ بیت / بیوت تو بیرونی حصہ تھا اور حجرہ او حجرات ان کا اندرونی حصہ گویا کہ وہ مکان کے کمرے تھے لیکن بعض احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مکانات (بیوت / ابیات) کے حجرے / کمرے ان کے اندرونی حصے نہیں تھے بلکہ کچی اینٹوں کے کمروں کو بیرونی جانب سے گھیرے ہوئے تھے۔ اور وہ کھجور کی پتیوں اور شاخوں وغیرہ سے ٹٹیوں کی مانند بنائے گئے تھے جس طرح آج کل گاؤں میں صحن مکان ان سے بنا لیا جاتا ہے ایک حدیث میں آیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم رات میں نماز پڑھا کرتے

تھے اور حجرہ کی دیوار (جدار) چھوٹی تھی۔ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات (شخص) کو دیکھ لیا تو آپ کی نماز پڑھنے لگے اور صبح اس کے بارے میں چرچا کیا۔ دو یا تین راتوں میں انہوں نے ایسا کیا اور پھر آپ بیٹھ رہے اور نہیں نکلے مبادا کہ رات کی نماز فرض ہو جائے۔ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حجرہ عائشہ میں کھڑے ہونے پر مسجد نبوی سے آدمی کو دیکھا جا سکتا تھا اور وہ حجروں کے باہر ہونے کا پتہ دیتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ حجاب و ستر و حیا کے اعتبار سے حضرت عائشہ اور دوسری ازواج مطہرات ان بیوت و مکانات میں ہوتی تھیں۔ جو اینٹ کے بنے ہوئے ان حجروں کے اندر تھے حضرت عائشہ کے حجرہ کے بارے میں ایک اور حدیث آتی ہے کہ اس میں اندرونی حصوں کی بہ نسبت زیادہ آسانی سے دھوپ بھر سکتی تھی۔

حضرت ام سلمٰی کی حدیث گذر چکی جس کے مطابق انہوں نے لوگوں کی نگاہوں سے بچنے کے لئے اپنے حجروں کو اینٹوں سے بنا لیا تھا۔ ظاہر ہے کہ اگر وہ اندرونی کمرہ ہوتا تو اس کو بنانے کی کیا ضرورت تھی۔ کہ وہ بیت کی دیواروں سے پہلے ہی گھرا ہوا تھا۔ پھر ان حجروں کے دروازوں میں سے اکثر کو کمبل (شعر اسود) کا بتایا گیا ہے لیکن بعض روایات میں بالخصوص حضرت حسن بصری کی سند پر مذکور روایت میں ان کو سرو کے درخت کی لکڑی کے پردے (اکسیۃ من خشب عرعر) کہا گیا ہے۔ اور سب سے اہم یہ کہ بعض روایات میں جیسے عبداللہ بن یزید ہذلی کی روایت ہے کہ ازواج مطہرات کے مکانات کو اینٹوں کا بنا ہونے کے ساتھ ان کے حجروں کو ان کے ارد گرد کھجور کی شاخوں پتوں سے بنا ہوا بتایا گیا۔

(رأیت بیوت ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم مبنیۃ باللبن حولھا حجر من جرید ممدودۃ الاحجرۃ ام سلمٰی)

نہ صرف ان کو بیوت کے ارد گرد (حولھا) بتایا گیا ہے بلکہ ان کو ان کے ارد گرد پھیلا ہوا (ممدودہ) بھی بتایا گیا ہے ان روایات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ حجرات نبوی مکانات/بیوت نبوی کے ارد گرد پھیلے ہوئے تھے۔

بعض اور روایات و شواہد و قرآن حکیم سے ازواج مطہرات کے مکانات کے دو حصوں بیت اور حجرہ کے فرق کے ساتھ ساتھ بیوت کے اندرونی حصے اور حجرات کے بیرونی حصے ہونے کا علم ہوتا ہے ان میں قرآن کریم کی سب سے اہم شہادت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ازواج مطہرات کے مکانات (بیوت) کی طرف دو آیات کریمہ سورہ احزاب میں واضح حوالہ دیا ہے اور اسی طرح اسی سورہ کی آیت ۵۳ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھروں کی طرف "بیوت النبی" کے الفاظ سے اشارہ کیا ہے اور بلا اجازت داخلہ سے مسلمانوں کو روکا گیا ہے۔ سورہ حجرات ۴ میں ایک جگہ غیر عاقل بدوؤں کے بارے میں کہا ہے کہ وہ آپ کو بے عقلی سے حجرات کے پیچھے سے زور کی آواز سے پکار کر بلاتے ہیں۔ قرآن مجید نے "بیوت" اور "حجرات" میں فرق کیا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ فرق بلا وجہ نہیں بلکہ اس کا مقصد ظاہر یہ ہے کہ بیوت ازواج کے بیرونی حصے حجرات ہونے

تھے۔ جن کے پیچھے سے غیر مہذب بدوی پکارتے تھے ان کے بیوت کے اندرونی حصے یا کمرے ہونے کی صورت میں ان کے پیچھے پکارنے کا کوئی مفہوم نہیں رہ جاتا اور ظاہر ہے کہ حجرات کو بیوت کا مترادف نہیں سمجھا جاسکتا۔ سورہ احزاب ۵۳ کی تفسیر میں احادیث نبوی سے بھی بیوت اور حجر کا فرق واضح ہوتا ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت زینب بنت جحش سے شادی کے بعد آپ نے دعوتِ ولیمہ کی۔ لوگ کھا کر چلے گئے۔ مگر کچھ لوگ بیٹھے رہ گئے آپ کو حجاب محسوس ہوا تو آپ حضرت عائشہؓ کے حجرہ کی طرف گئے اور ان کو سلام و کلام کرکے تمام ازواج مطہرات کے حجروں کے پاس اسی طرح سلام و کلام کرکے پھر حضرت زینب کے گھر واپس آئے تو ان کو باتیں کرتے پایا۔ چنانچہ پھر آپ حجرۂ عائشہ کی طرف روانہ ہو گئے اسی دوران وہ لوگ چلے گئے تو آپ پلٹے اور دروازہ کی دہلیز میں پیر رکھا ایک باہر تھا اور دوسرا اندر کہ آپ نے پردہ گرادیا اور پھر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

یہاں ابن سعد کی اس روایت کا ذکر کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ حضرت زینب بنت جحش کی شادی پر آپ نے جو ولیمہ کی دعوت کی تھی اس میں اتنے لوگ آئے کہ ان کے مکان (بیت) اور ان کے حجرے میں بھر گئے۔ اور کھا کھا کر سیر ہو کر نکلتے رہے اس میں مکان و حجرہ کا فرق بہت واضح ہے۔ اس کے علاوہ عید کے دن حبشیوں کا کھیل دیکھنے والی حدیث عائشہ اور بعض ازواج مطہرات کی موجودگی میں حضرت ابن مکتوم کی آمد پر ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پردہ کرنے کی تاکید والی حدیث اور بعض اور ایسی ہی اور احادیث اور روایات سے بالواسطہ حجروں کے باہری جانب ہونے کا مفہوم ملتا ہے۔ ان مختلف روایتی شہادتوں، قرینوں اور استنباطوں سے اب یہ کہا جاسکتا ہے کہ بیوت نبوی اندرونی کمرے تھے اور حجرے ان کے بیرونی ٹٹیوں والے صحن۔

ازواج مطہرات کے مکانات کی لمبائی چوڑائی اور اونچائی کا جہاں تک تعلق ہے تو بہت کم روایات ملتی ہیں۔ ابن سعد کے ہاں عمران بن ابی انس والی روایت میں پردے کی دیوار (ستر) کی پیمائش تین ہاتھ لمبی اور ایک ہاتھ دو پون کے برابر یا اس سے کم چوڑی بتائی گئی ہے۔

سمہودی کی روایت اس سے زیادہ واضح ہے جس میں لفظ ساتر (پردہ) استعمال ہوا ہے اور اس کی لمبائی چوڑائی تین ہاتھ (اذرع) اور پونے دو ہاتھ (ثلاثة اذرع فی ذراع وعظم الذراع) بتائی گئی ہے اونچائی کے سلسلہ میں ابن سعد اور سمہودی نے حضرت حسن بصری کی ایک عینی شہادت نقل کی ہے جس کا مجموعی لب لباب یہ ہے کہ میں عہد عثمانی میں نوخیز نوجوان (غلام مراہق) تھا اور اس زمانے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھروں (بیوت) میں داخل ہوا کرتا تھا اور چھت کو اپنے ہاتھ سے چھو لیا کرتا تھا۔

مولانا شبلی نعمانی نے لکھا ہے کہ یہ مکانات چھ چھ، سات سات ہاتھ چوڑے اور دس دس ہاتھ لانبے تھے اور اس کا کوئی حوالہ نہیں دیا اور جو طبقات ابن سعد اور وفاء الوفا کا حوالہ دیا ہے اس سے ان دو بیانات یعنی کھڑے آدمی

کے چھتوں کو چھو لینے اور دروازوں پر کمبل کے پردوں کے پڑے ہونے کی تصدیق ہوتی ہے مگر لمبائی چوڑائی کی تصدیق نہیں ہوتی۔ غالباً ان کی پیروی میں سید سلیمان ندوی نے بھی حضرت عائشہ کے "حجرے کی وسعت چھ سات ہاتھ سے زیادہ نہ تھی" لکھ دیا ہے اور کسی مزید بیانات کے بعد مسند احمد ابن حنبل، ابن سعد، ادب المفرد، امام بخاری باب النساء اور سمہودی باب ۴ فصل ۴ کا حوالہ دیا ہے اور ان سے حجرے کی وسعت کی تصدیق ابھی تک تحقیق طلب ہے۔ حدیث و سیرت کی مختلف روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مکانات بہت چھوٹے ہوتے تھے اور ان میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی زوجہ مطہرہ کے قیام و سکونت ہی کی گنجائش ہوتی تھی جیسا کہ حضرت عائشہ کی اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے جس میں ام المومنین کے بستر پر عرض میں دراز ہونے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نماز پڑھنے کا ذکر آیا تھا۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ جیسا طویل القامت بخوبی اس میں آ جا سکتا تھا۔

ان مکانات نبوی کے دروازوں کے بارے میں روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ کم از کم دو دروازے ضرور ہوتے تھے ان میں سے ایک صحن مسجد نبوی میں کھلتا تھا اور دوسرا سمت میں مشرق کی جانب راستہ عام / گزرگاہ نبوی کی سمت میں حضرت عائشہ کے حجرے کے باب میں سید سلیمان ندوی کا یہ بیان صحیح ہے کہ:۔

"اس کا ایک دروازہ مسجد کے اندر مغرب رخ اس طرح واقع تھا کہ گویا مسجد نبوی اس کا صحن بن گئی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسی دروازہ سے ہو کر مسجد میں داخل ہوتے تھے۔ جب مسجد میں معتکف ہوتے تو سر مبارک حجرے کے اندر کر دیتے اور حضرت عائشہ بالوں میں کنگھا کر دیتیں۔ کبھی مسجد میں بیٹھے بیٹھے حجرہ کے اندر ہاتھ بڑھا کر کوئی چیز مانگ لیتے۔ اس کے ساتھ مولانا شبلی کا یہ بیان ہے کہ:۔

یہ مکانات مسجد سے اس قدر متصل تھے کہ جب آپ مسجد میں اعتکاف میں ہوتے تو مسجد سے سر نکال دیتے اور ازواج مطہرات گھر میں بیٹھے بیٹھے آپ کے بال دھو دیتی تھیں۔ مگر انہوں نے اس کا کوئی حوالہ نہیں دیا۔ سلیمان ندوی کے بیانات کی تصدیق نہ صرف مذکورہ بالا روایات سے ہوتی ہے بلکہ صحیح بخاری کی ایک اور روایت سے بالواسطہ ہوتی ہے جس کے مطابق حضرت عائشہ کے گھر میں دھوپ بھری ہوتی تھی جب آپ نماز عصر پڑھا کرتے تھے۔ ابن سعد نے واضح طور پر ایک روایت میں کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ کے دروازے کے مقابل مسجد میں ایک دروازہ کھول لیا تھا۔ اس کے علاوہ بعض اور روایات ملتی ہیں جن سے صحن مسجد کی طرف اور شاہراہ کی طرف دو دروازوں کی موجودگی کا پتہ چلتا ہے ان میں سے ابن سعد اور سمہودی وغیرہ کی روایات کا پہلے ذکر آ چکا ہے۔ ان دروازوں میں عرعر (سرو) یا ساج (ساگوان) کی لکڑی استعمال کی گئی تھی اور وہ ایک پٹ کے تھے اور وہ بند نہ کئے جاتے تھے۔ دروازوں میں بعض روایات کے مطابق کنڈے (حلق) نہ تھے اور ان کو اظافیر (انگلیوں کے ناخنوں سے بجایا جاتا تھا۔ تاکہ اجازت داخلہ طلب کی جائے

یا بلایا جائے۔ اوپر کی بعض روایات میں آچکا ہے کہ ان پرسیاہ کمبل کے پردے پڑے رہتے تھے اور ان کی لمبائی چوڑائی تین اور پونے دو ہاتھ تھی۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک بار حضرت عائشہ نے اچھے کپڑے کا پردہ ڈال تھا جس میں تصویریں تھیں تو آپ نے اس کو اتروا دیا۔

(س) مکانات ازواج کا انہدام اور مسجد نبوی میں ادغام

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا حجرۂ خاص جس میں آپ نے داعی اجل کو لبیک کہا تھا مدفن نبوی بن گیا۔ اور حضرت عائشہ دوسرے حجرے میں منتقل ہوگئیں۔ ازواج مطہرات کے یہ نو حجرے ولید بن عبدالملک کی خلافت اور عمر بن عبدالعزیز کی امارت مدینہ تک اپنی حالتوں پر باقی رہے جیسا کہ ابن سعد سمہودی وغیرہ کی روایات سے معلوم ہو چکا ہے اور پھر وہ منہدم کر کے مسجد نبوی کی توسیع اموی کے وقت اس میں شامل کر دئے گئے۔ روایات میں آتا ہے کہ ان میں سے ایک حضرت معاویہ نے خرید لیا تھا اور اس کی عظیم مالک حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کو تاحیات رہنے کا حق دیا تھا اور بعض حجرات کے فروخت ہونے اور ان کی قیمت کے صدقہ کئے جانے کی روایات بھی ملتی ہیں۔ لیکن یہ بہر حال واضح ہوتا ہے کہ حضرت عمر اور حضرت عثمان کی مسجد نبوی کی توسیع میں ازواج مطہرات کے مکانات کو ہاتھ نہیں لگایا کہ بیشتر باحیات اور ان میں بس رہی تھیں۔ البتہ جب حضرت معاویہ کے عہد خلافت میں بیشتر ازواج اور یزید بن معاویہ کی خلافت کے سال اول میں آخری زوجہ مطہرہ کی وفات ہوگئی تو وہ مکانات بالکل خالی ہوگئے۔ اور ان میں رہنے والا کوئی نہ رہا کہ وہ وراثت میں تقسیم ہو سکتے تھے اور نہ فروخت کئے جا سکتے تھے۔

خلیفہ بن عبدالملک کے عہد میں ان کو مسجد نبوی میں شامل کر دیا گیا۔ روایات میں آتا ہے کہ جس وقت یہ مکانات منہدم کئے گئے مدینہ منورہ میں کہرام مچ گیا اور لوگ کثرت سے روتے ہوئے اپنے گھروں سے نکل آئے۔ کہ ان کے محبوب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک اور نشانی مٹ گئی۔ بعض صحابہ کرام کے فرزندوں اور بزرگوں کا خیال تھا کہ ان کو ان کی حالت پر باقی رکھا جاتا تاکہ لوگوں کو معلوم ہوتا کہ سکونت نبوی اور تعمیر نبوی کی سنت کتنی سادہ اور قابل عمل تھی اور شاندار مکانات بنانے والوں کو اس سے نصیحت اور عبرت ہوتی۔ خیال یہ بھی اچھا ہے مگر مسجد نبوی میں ان مکانات کی شمولیت و ادغام ان کے شایان شان بھی تھا اور روح اسلام و تعلیمات نبوی کے مطابق بھی۔

(ص) آخری تجزیہ

اسلامی تاریخ و سیرت نبوی کے تمام اہم اصلی مآخذ اور ثانوی و جدید مراجع کی مختلف و متعدد اور بسا اوقات متنافی و متناقض روایات اور متصادم و مخالف بیانات کا گہرا مطالعہ کرنے کے بعد آخری تجزیے میں ازواج مطہرات کے مکانات کی جو تصویر ہمارے علم و آگہی کے بعد ابھرتی ہے وہ یہ ہے کہ مستند روایات کی غالب اکثریت اور تاریخی شواہد

کی ناقابل تردید شہادت اس نقطہ نظر کے حق میں ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات کی سکونت و قیام کے لئے بیشتر مکانات تعمیر کرائے تھے۔ ان کی اراضی اور تعمیراتی اسباب حتمی طور سے صحابہ کرام بالخصوص مدینہ منورہ کے جاں نثار و مخیر انصار عظام کے عطایا و ہدایا سے آئے تھے۔

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت حارثہ بن نعمان انصاری نے اپنے مکانات نبی ازواج مطہرات یا اہل بیت نبوی کے لئے پیش کئے تھے۔ ان روایات کا تجزیہ بتاتا ہے کہ انہوں نے کچھ مکانات اور کچھ اراضی وغیرہ ضرور پیش کی تھی مگر دوسرے انصاری حضرات بالخصوص بنی نجار بن خزرج کے ان صاحبانِ دل اور جاں نثارانِ رسولؐ زیادہ حصہ تھا جن کے محلے میں مسجد نبوی اور ازواج مطہرات کے مکانات واقع تھے۔ تعمیر مکانات کے اخراجات میں بعض امہات المومنین کی مساعی کا بھی قابلِ قدر حصہ تھا۔ اراضی و مکانات اور تعمیراتی سامان کی فراہمی ہیں۔ خواہ وہ مسجد نبوی کی ہو یا مکانات نبوی کی متعین طور سے کسی ایک صحابی یا چند صحابہ کرام کی تعیین کرنی ہماری ابھی تک کی دستیاب معلومات کے مطابق تقریباً محال ہے۔

ازواج مطہرات کے مکانات کی سمت کے بارے میں جو مختلف روایات آئی ہیں ان کے تجزیہ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ مسجد نبوی کی تین سمتوں مشرق، شمال اور جنوب میں وہ سب کے سب واقع تھے اور مغربی سمت میں کوئی مکان نہ تھا۔ حضرت عائشہ کے حجرہ شریفہ اور بیت مبارکہ کی تعیینِ سمت تو سیرت نبوی کی حقانیت کی مانند حتمی ہے کہ وہ آج بھی رسولِ مطہر صلی اللہ علیہ وسلم کے مرقد مبارک کی سعادت کی بدولت اپنی جگہ قائم ہے۔ اس کے دونوں جانب حضرت سودہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما کے مکاناتِ مقدسہ تھے اور اول الذکر سمتِ مشرق میں اور موخر الذکر جانب جنوب میں۔ بعد میں جو ازواج مطہرات خدمتِ نبوی میں آتی گئیں، ان کے مکانات بنتے گئے اور حضرت ام سلمیٰؓ، حضرت زینب بنت خزیمہ، حضرت جویریہ، حضرت زینب بنت جحش، حضرت ام حبیبہ اور حضرت میمونہ بنت حارث رضی اللہ عنہما کے مکانات شامی جانب مسجد نبوی کے باب النساء تک وسیع تھے۔ حضرت صفیہ کا مکان دارِ اسامہ بن زید میں غالباً جنوبی سمت میں ذرا فاصلے پر تھا۔ گویا مسجد نبوی کے بابِ رحمت سے باب نساء تک زیادہ تر مکانات تھے۔ اور کچھ جانب جنوب یا سمت قبلہ میں تھے۔ یہ بحث مزید تحقیق کی محتاج ہے۔ فی الوقت یہ تقریباً یقینی ہے کہ مسجد کے غرب میں کوئی مکانِ نبوی نہ تھا اور صرف تین سمتوں میں واقع تھے۔

ساخت و تعمیر کے اعتبار سے مکاناتِ نبوی دو حصوں میں منقسم تھے۔ اندرونی اور بیرونی حصے جو بالترتیب بیوت اور حُجر ماخذ اصلی میں کہے گئے ہیں زیادہ تر مولفین سیرت نے اندرونی و بیرونی حصوں کی تقسیم نہیں کی ہے مگر بنیادی مراجع سے یہ تقسیم حتمی نظر آتی ہے۔ یعنی بیوت و ابیات وہ کمرے تھے جو حجرات / حجروں کے اندر واقع تھے۔ کمروں (بیوت و ابیات) چار دیواری والے مسقف حصے تھے اور ان کے ارد گرد یا باہر کی طرف جو صحنِ مسجد نبوی کی یا مخالف

سمت تھی۔ یہ چھوٹے چھوٹے حجرے تھے جو گاؤں اور دیہاتوں میں بنائی جانے والی ٹٹیوں کے مانند تھے اور جو بند کمروں کو صحن / دالان عطا کرتے تھے۔ بیوت کے دو دروازے ہوتے تھے جن میں سے ایک براہ راست مسجد نبوی میں کھلتا تھا۔ اور دوسرا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس گزرگاہ کی طرف جس سے آپ بالعموم دوسری ازواج مطہرات کے مکانات کی طرف تشریف لے جایا کرتے تھے۔

اپنی بناوٹ کے لحاظ سے ازواج مطہرات کے مکانات (بیوت / ابیات) کے کچھ حصے ترجیحی طور سے ان کی بنیادوں سے کرسی تک کے حصے پتھروں کو تہ بہ تہ رکھ کر بنائے گئے تھے جب کہ ان کی دیواروں کچی اینٹوں (لبن) جو تھوپنے کے بعد دھوپ میں خشک کر لی جاتی تھی۔ بنائی گئی تھیں۔ اور ان کی چھتیں کھجور کی شاخوں اور پتوں سے بنائی گئی تھیں۔ اور بارش سے بچنے کی خاطر غالباً ان پر دبیز کمبل ڈال دئے جاتے تھے۔ اندرونی حصوں میں معمولی مختصر سامان ضرورت رکھنے کے لئے ایک الماری نما خانہ (سہوق) بنا لیا جاتا تھا۔ جب کہ بیرونی حجرے کھجور کی شاخوں اور ٹٹیوں (جرید النخل) سے بنائے گئے تھے اور ان پر مٹی کے گارے سے لیپ کر کے ان کے رخنوں کو نظر بد اور ہوا وغیرہ سے بچانے کے لئے اور ان کی مضبوطی کی خاطر بند کر دیا گیا تھا۔

پیمائش کے اعتبار سے ان مکانات (بیوت / ابیات) کی لمبائی، چوڑائی اور اونچائی بہت مختصر تھی۔ وہ بقول شخصے چھ چھ سات سات ہاتھ چوڑے اور دس دس ہاتھ لانبے تھے۔ گویا نو دس فٹ چوڑے اور بارہ پندرہ فٹ لمبے تھے۔ ان میں بمشکل تمام میاں بیوی اور اُن کا ضروری اور مختصر سامان مع ان کے بستروں (سریر) کے سما سکتا تھا۔ ان کی لمبائی چوڑائی خاص کر ابھی تک تحقیق طلب ہے۔ ان کی اونچائی کھڑے ہونے کی حالت میں ایک نوجوان کے ہاتھوں سے چھو لینے کی حد سے باہر نہ تھی۔ اور اپنے وقت کا طویل قامت آدمی ان میں بہ آسانی اور سر جھکائے بغیر داخل ہو سکتا تھا۔

کمروں (بیوت / ابیات) کے دروازوں پر لکڑی خواہ وہ سرو ہو یا ساج کے کواڑ تھے اور وہ زیادہ تر ایک پٹ کے تھے۔ اور ان کو اکثر بند کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی تھی۔ دروازوں پر اور حجروں کے نکاس پر سیاہ کمبل کے کھردرے پردے محض عفت نگاہ اور طہارت دل کے لئے ڈالے گئے تھے جو بالعموم پونے دو دو ہاتھ چوڑے اور تین ہاتھ لمبے ہوتے تھے۔ یعنی دروازوں کی مساحت کے برابر ان کی لمبائی چوڑائی تھی"

محفوظ قابلِ اعتماد مستعد بندرگاہ

بندرگاہ کراچی

جہازرانوں کی جنت

بندرگاہ کی خدمات کے جدید انداز کے ساتھ
عالمی تجارت کے لئے پُرکشش
پاکستانی معیشت کی تعمیر کے لئے کوشاں

ہماری کامیابیوں کی بنیاد

- انجینئرنگ میں کمالِ فن
- مستعد خدمات
- جدید ٹیکنالوجی
- باکفایت اخراجات
- مسلسل محنت

۲۱ ویں صدی کی جانب رواں

بمع

جدید مربوط کنٹینر ٹرمینلز
نئے میرین پروڈکٹس ٹرمینل
بندرگاہ کراچی ترقی کی جانب رواں

حضرت العلامہ مولانا محمد عبد المعبود صاحب مدظلہ

میری علمی اور مطالعاتی زندگی

علامہ عبد القیوم حقانی دامت برکاتہم کے ارشاد اور فضیلۃ الشیخ مولانا سمیع الحق مدظلہ العالی کے سوالنامہ پر چند معروضات سپرد قلم کرنے کی جسارت کر رہا ہوں۔ اگرچہ علمی رفعتوں سے تہی دامن ہونے کے باعث علمی کیفیت کا تذکرہ یقیناً بے محل بھی ہے اور بے سود بھی۔

پھر جہاں آسمانِ علم و دانش کے نجوم الہدیٰ (علماء کرام) علمی ضوفشانی سے قارئین کے دل و دماغ کو مستنیر کر رہے ہوں اور اپنی خداداد علمی عظمتوں کے روح پرور اور ایمان افروز تذکرہ سے تاریخ کا سنہری باب رقم فرما رہے ہوں۔ مجھ ایسے بے مایہ، ہیچمدان جو وارثانِ علوم نبوت کی گرد راہ ہے، کیا بیان کرے گا۔ ع

چہ نسبت خاک را با عالم پاک

یہ تو رب کریم کی وصف "ستّار" کی کرشمہ سازی ہے کہ عیوب کی پردہ پوشی فرما رہا ہے ورنہ ع

من آنم کہ من دانم

البتہ یہ نعمتِ ایزدی بہرحال قابل ستائش اور لائق صد امتنان ہے کہ اس نے حاملینِ قرآن و سنّت کی نقش برداری کی سعادت سے نوازا ہے ؎

گلے خوشبوی در حمام روزے	رسید از دست محبوبے بدستم
بدو گفتم کہ مشکی یا عبیری	کہ از بوئے دلاویز تو مستم
بگفتا من گلے ناچیز بودم	ولیکن مدتے با گل نشستم
جمالِ ہمنشیں در من اثر کرد	وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

امتثالِ امر کے طور پر چند بے کیف معروضات معذرت کے ساتھ قارئین کی خدمت میں پیش کرنے کی جسارت کر رہا ہوں گویا کہ "انگلی کٹا کر شہیدوں میں نام لکھانے" کے مصداق عرض پیرا ہوں۔

میرے والد گرامی قدر مولانا محمد شفیع مرحوم و مغفور، قطب دوراں، مفسر قرآن مولانا حسین علی نور اللہ مرقدہ وال بھچراں، میانوالی کے مسترشد تھے۔ اور مذہبی، تمدنی، معاشی اور معاشرتی ہر اعتبار سے پس ماندہ علاقہ پوٹھوار میں رہائش پذیر تھے۔ والد ماجد کی تربیت نے صراطِ مستقیم پر چلنا مرغوب و محبوب بنا دیا۔ اور

علوم کے حصول کے ذوق سے سرشار بھی کر دیا چنانچہ مڈل تک سکول کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد ٹھٹھہ ضلع راولپنڈی سے تعلیم کا آغاز کیا۔ جہاں استاذ العلماء مولانا احمد الدین ایک گمنام مقام پر جلوہ افروز برسوں سے علوم عقلیہ و نقلیہ کی فیض رسانی میں مصروف تھے۔ موصوف کے ارشد تلامذہ میں شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان کا نام نامی اسم گرامی سرِ فہرست ہے۔

اگرچہ موصوف تمام علوم میں کامل دسترس رکھتے تھے لیکن صرف اور نحو کا اندازِ تعلیم انوکھا بھی تھا اور بے انتہا مؤثر و مفید بھی۔ چند ہی دنوں میں ہر طالب علم موصوف کی علمی استعداد اور مہارت کا معترف ہو جاتا اور ایسے انمٹ نقوش دلوں پر مرتسم ہو جاتے جن کی ضوفشانی علمی منازل طے کرنے کے لئے مشعل راہ ثابت ہوتی فنون کی بیشتر کتابیں حفظ تھیں۔ طلبا پر محنت کرنا فرض منصبی سمجھتے تھے۔

احقر پنجاب کے اساتذہ میں سے تین شیوخ سے بیحد متاثر ہوا۔ فنون میں مولانا احمد الدین مذکور، قرآنی علوم و معارف میں شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان اور علوم حدیث میں شیخ الحدیث مولانا عبد الرحمٰن چارسدہ۔

شیخ القرآن قرآنی علوم کے بحرِ ذخار تھے۔ علمی دقائق اور تفسیری حقائق کے نادر الوجود موتی بکھیرتے تھے۔ جا بجا نحویین اور مناطقہ کی مباحث اپنی تابانی سے طلبا کی آنکھوں کو خیرہ کرتیں۔ فنون کی کتابیں مستحضر تھیں۔ منطق کی مغلق اور لاینحل عبارت نوکِ زبان پر تھیں۔ معقول و منقول پر یکساں عبور حاصل تھا۔

قرآنی علوم میں گہرا شغف اور جذبۂ تحقیق سے سرشار تھے۔ بے شمار آیات کی تشریح و توضیح میں مقتدر مفسرین کی پوری پوری عبارات یاد تھیں۔ سب سے بنیادی اور مرکزی مسئلہ توحید خداوند قدوس کا ہے۔ اسی مسئلہ کی اشاعت و ترویج شیخ القرآن کا مطمع نظر تھا۔ اس مرد قلندر نے جس دور میں توحید و سنت کی آواز بلند کی، سارا ملک ظلمت کدۂ شرک بنا ہوا تھا۔ لیکن گلشنِ توحید کے اس "عندلیب" نے جان کی بازی لگا کر گلشن کی آبیاری کا حق ادا کر دیا۔

شیخ الحدیث مولانا عبد الرحمٰن چارسدہ سے صحیح بخاری۔ جامع ترمذی اور مؤطا امام مالک پڑھنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ موصوف کی تقریر اس قدر جامع مانع اور بسیط ہوتی کہ ہر ممکنہ اعتراض کا جواب بغیر کسی ردو قدح کے حل ہو جاتا اور تشنگی کا شائبہ تک باقی نہ رہتا۔ مسالک اربعہ کے دلائل بیان کر کے ان کے موزوں جواب دیتے اور پھر مسلکِ احناف کی برتری پر دلائل کے انبار لگا دیتے تھے۔ جب کہ صحیح مسلم، ابو داؤد، نسائی اور خصوصاً طحاوی کے اساتذہ اعتراض کرنا کسرِ شان خیال فرماتے تھے۔

احقر بزرگانِ دین کی مجلس و صحبت کا شرف حاصل کرنے سے محرومی کا شکار رہا۔ تاہم تین شخصیات کے تابناک کردار سے بے حد متاثر ہوا۔ عقائد و اعمال کی پرشکوہ عمارت میں "بنیان مرصوص" کی حیثیت کے

حامل ہیں۔ ان کی اصلاح کا سہرا شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان کے سر سجتا ہے جن کی شبانہ روز کی محنت شاقہ مسلم قوم کے عقائد کی اصلاح کے لئے وقف تھی۔ وہ قوم کے مشرکانہ عقائد پر خون کے آنسو روتے اور ان کی اصلاح کی فکر مرتے دم تک دامن گیر رہی۔ موصوف کی انتھک جدوجہد سے توحید کی ایمان افروز ضیا نصیب ہوئی جو تا حال ہر لحظہ رو بہ ترقی ہے۔

حسنِ عقائد کی طرح حسنِ اعمال بھی نجاتِ اخروی کے لئے لازم ہیں۔ "آمنوا وعملوا الصالحات" اسی حقیقت کی غمازی کر رہی ہے۔ قاضی مظہر حسین خلیفہ مجاز شیخ العرب والعجم سید حسین احمد مدنی برد اللہ مضجعہ علم و عمل کے پیکر، اتباعِ سنت کے خوگر اور طلباء کی حرکات و سکنات کو سنت کے قالب میں ڈھالنے کے لئے ہر وقت فکرمند رہتے۔ موصوف کی خدمت میں طالب علم کی حیثیت سے دو سال قیام رہا۔ ان کی حسنِ تربیت سے عقائد کی شدت میں جوہر اعتدال میں نکھار آیا۔ اصلاحِ اعمال کا احساس نصیب ہوا۔ خاندان میں حسنِ عقائد کے باوصف رسومات و بدعات سے اجتناب کا فقدان تھا۔ بحمد اللہ تعالیٰ والد گرامی قدر سمیت سارے خاندان کو رسومات و بدعات سے کلی اجتناب کی سعادت میسر آئی۔

قطبِ آمال، مفسرِ قرآن سیدی و مرشدی حضرت مولانا احمد علی لاہوری نور اللہ مرقدہ کے دستِ حق پرست پر بیعت ہونے سے "اللہ والوں" کی گردِ راہ بننے کی سعادت حاصل ہوئی۔ موصوف کی نظرِ کیمیا اثر نے "راہِ احسان" کا راہ رو بنا دیا۔ شومئی قسمت کہ اس بحرِ بیکراں سے حصہ وافر حاصل نہ کر سکا۔ اس چشمۂ صافی سے لاتعداد روحانی مریض شفا کی لازوال نعمت سے مالا مال ہوئے۔ موصوف کی سیرت و کردار مردم خیز اور قول و گفتار جادو اثر تھا۔ جن کا مطمعِ نظر حصولِ رضائے الٰہی کے سوا کچھ نہ تھا۔ جن کی بے لوث دینی خدمات نصف صدی پر محیط تھیں۔ لیکن دنیا سے بے نیازی کا یہ عالم تھا۔ اکثر فرماتے تھے۔ "میں نے کبھی کسی سے ایک پیسہ تک نہیں لیا"۔ یہ شانِ استغناء اور الفقر فخری کا عملی مظاہرہ کہ زندگی بھر رہائش کے لئے مکان تک نہ بنایا۔ بایں ہمہ اللہ جل جلالہ اور اس کے پیارے حبیب سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مجذوبانہ اور عاشقانہ تعلق کی یہ کیفیت کہ چودہ مرتبہ زیارتِ حرمین شریفین کی سعادت سے سرفراز ہوئے۔ میں نے زندگی میں ان اوصاف کا حامل کوئی مردِ قلندر نہیں دیکھا۔

سیدی و مرشدی کا ورع و تقویٰ نادر الوجود اور قابلِ رشک تھا۔ اکلِ حلال کا اہتمام ناقابلِ یقین حد تک تھا۔ حتیٰ کہ مشتبہ چیزوں سے کامل اجتناب تھا۔ بے نمازی کے ہاتھ کا کھانا ہرگز نہ کھاتے تھے۔

موصوف فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ بمبئی سے کچھ احباب نے خط لکھا کہ ہم اللہ اللہ سیکھنا چاہتے ہیں ہمارے ساتھ مستورات اور بچے بھی ہیں۔ اس لئے ہم لاہور نہیں آ سکتے۔ اگر آپ یہاں تشریف لائیں تو ہم آپ کی

خدمت بھی کریں گے ۔ اور بیعت بھی ہوں گے ۔
میں نے جواب میں لکھا کہ آجاؤں گا مگر تین شرطیں ہیں ۔ کسی کے گھر سے کھانا نہیں کھاؤں گا ۔ آنے جانے کا کرایہ نہیں لوں گا اور نہ ہی ہدیہ وصول کروں گا ۔
ان لوگوں نے کہا یہ شرطیں ہمارے لئے ناقابلِ قبول ہیں ۔ میں نے کہا اگر تمہیں منظور نہیں تو مجھے بھی منظور نہیں ۔ بہر حال خط و کتابت کا سلسلہ جاری رہا ۔ آخر وہ ہار گئے اور میں جیت گیا ۔
چلتے وقت میں نے گھر سے چھ سات میٹھی روٹیاں پکوالیں ۔ اور بمبئی روانہ ہو گیا ۔ چند یوم بعد میں بند کمرے میں بیٹھا میٹھی روٹی جو سوکھ چکی تھی مکا مار کر توڑ رہا تھا کہ میزبان کی اہلیہ نے دروازہ کے سوراخ سے دیکھ لیا ۔ اس نے اندر آنے کی اجازت چاہی ۔ میں نے کہا آجاؤ ۔ وہ کہنے لگی حضرت ہم پر اللہ کی بڑی مہربانی ہے روزانہ زردہ ، پلاؤ اور مرغن غذائیں کھاتے ہیں ۔ آپ ہمارے بزرگ ہیں ضعیف بھی ہیں اور اتنی دور سے آئے ہیں اور آپ سوکھی روٹی کھا رہے ہیں ہمیں سخت شرم آتی ہے اور زار و قطار رو رہی تھی ۔
میں نے کہا بیٹی ! یہی تو شرط تھی کہ کسی کے گھر سے کھانا نہیں کھاؤں گا ۔ وہ کہنے لگی ہمارے لئے یہ بات ناقابلِ برداشت ہے کہ آپ خشک روٹی کھائیں ۔ آپ اجازت دیں تو کھانا پیش کروں ۔ اس کی گریہ زاری کے باعث میں نے کہا جو کھانا پکا ہوا ہے لے آؤ ۔ اگر وہ کھانے کے قابل ہوا تو کھالوں گا ورنہ نہیں ۔ وہ بے حد خوش ہوئی اور تھوڑی دیر بعد چند کھانے ٹرے میں رکھ کر دستر خوان اوپر ڈال کر لے آئی اور میرے سامنے رکھ دیا میں نے کپڑا اٹھا کر دیکھا اور کہا یہ میرے کھانے کے قابل نہیں ہے ، اسے لے جاؤ ۔ وہ سخت پریشان ہوئی اور مجبوراً اٹھا کر لے گئی ۔
حضرت فرماتے تھے اسی قیام کے دوران کسی نے بتایا کہ یہاں کوئی مجذوب بلند پایہ رہتے ہیں ۔ میں نے کہا ان سے ملاقات کرا دیں ۔ وہ آدمی مجھے ساتھ لے گیا ۔ ان کے مکان پر پہنچا تو ان کا خادم مکان کے باہر بیٹھا تھا ۔ میں نے پوچھا حضرت تشریف فرما ہیں ۔ اس نے کہا جی ہاں ۔ میں نے کہا حضرت سے کہو کہ احمد علی آیا ہے اور ملنا چاہتا ہے ۔ وہ اندر چلا گیا اور واپس آکر کہا اجازت ہے اندر آجائیں ۔ میں اندر گیا وہ بیٹھے ہوئے تھے ۔ پاؤں سے لے کر سر تک مجھے ایک نظر دیکھا ۔ وہ یہ دیکھ رہے تھے کہ میں انسان بھی ہوں یا نہیں ۔ پھر فرمایا احمد علی بیٹھ جاؤ ، میں بیٹھ گیا ۔ وہ اٹھے طاقچہ سے ایک ٹین کا ڈبہ اٹھا لائے ۔ اور میرے آگے رکھ دیا ۔ اس میں جلیبی تھی ۔ اور فرمایا احمد علی کھاؤ ۔ میں نے کہا حضرت آپ بھی کھائیں ۔
بمبئی کے ہفت روزہ قیام کے دوران اس جلیبی کے سوا اور کوئی چیز نہیں کھائی ۔ مسجد سے پانی پی لیتا تھا اور وہی خشک روٹی کھا لیتا تھا ۔

شیخ سعدی نے ایسے ہی مردانِ باصفا کے متعلق فرمایا تھا ؎

بنانِ خشک قناعت کنیم و جامۂ دلق — کہ رنج محنت خود بہ کہ بار منت خلق

نہ بر اشتر بر سوارم نہ چو اشتر زیر بارم — نہ خداوند رعیت نہ غلام شہریارم

غم موجود و پریشانی معدوم ندارم — نفسے میزنم آسودہ عمرے میگذرم

محدث جلیل علامہ خلیل احمد سہارنپوری کے متعلق مولانا عاشق الٰہی میرٹھی لکھتے ہیں:۔

آپ کی تقریر مختصر اور جامع ہوتی تھی۔ صاف اور عام فہم لفظوں میں عبارت کا ترجمہ کرتے اور مطلب سمجھاتے اور آواز زیادہ اونچی نہ تھی مگر پھر بھی ۵۰، ۶۰ طلبہ کے دائرہ تک باسانی پہنچتی تھی بمفہوم عبارت سمجھانے کے بعد آپ طلبہ کو شبہ اور اعتراض کا موقع دیتے اور پھر مسکرا کر اس کا جواب دیا کرتے تھے۔ بات کرنے میں آپ کے دہن سے پھول جھڑتے اور تقریر گویا موتیوں کی لڑی ہوتی تھی۔ آخیر زمانۂ عمر میں آپ کی آواز مرتعش ہو گئی تھی۔ مگر تسلسل و حلاوت وہی تھی جو جوانی کے زمانہ میں تھی۔ بڑے درجہ کی پندرہ سولہ ضخیم کتابوں کا ختم سال سے قبل کرا دینا آپ کے لئے معمولی بات تھی اور کامل چھ سات گھنٹے درس دینا اور دماغ و زبان سے کام لئے جانا آپ کی عادت بن گئی تھی۔

مولانا محمد یحییٰ صاحب کی علمی استعداد اور علوم نقلیہ کے ساتھ فنونِ عقلیہ کی مہارت تامہ اس نو عمری میں مسلم و مشہور ہونے کے ساتھ علماء عصر میں حیرت کی نظروں سے دیکھی گئی —— عربی ادب میں آپ کو اتنی مہارت تھی کہ نثر اور نظم دونوں بے تکلف لکھتے۔ مگر یوں فرمایا کرتے تھے کہ تمام ادب میں استاد سے میں نے صرف مقامات حریری کے ۹ مقالے پڑھے ہیں اور وہ بھی اس طرح کہ استاد نے کہہ دیا تھا کہ میرے مکان کو آتے جاتے راستہ میں پڑھ لیا کرو۔

فرماتے کہ میں نے حمداللہ ۱۸ دن میں پڑھا کہ ظہر کے بعد اس کا سبق ہوتا تھا۔ اس لئے صبح ہی میں حمداللہ اور اس کے حواشی لے کر مطالعہ دیکھنے کو نانی اماں کی چھت پر جا بیٹھتا اور ۱۲ بجے اتر کر روٹی کھایا کرتا تھا —— فرمایا سلّم مجھے ازبر یاد تھی اور تسبیح لے کر میں نے اس کی عبارت کو از اول تا آخر دو دو سو مرتبہ پڑھا ہے۔

(تذکرۃ الخلیل ۱۹۶)

شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی کے متعلق حکیم الامت تھانوی لکھتے ہیں:۔

" عادت شریفہ تقریر کتاب میں یہ تھی کہ اکثر نفس مطلب پر اکتفا فرماتے تھے۔ جس کا نتیجہ کتاب کا جلدی نکلنا۔ کتاب سے طالب علم کو کامل مناسبت اور اس سے کامل استعداد ہو جانا تھا۔ حسن و جاذبیت وعمدگی تقریر میں مولانا کا ثانی غالباً اب تک بھی ذہن میں نہیں ہے۔ ذٰلك فضل الله يؤتيه من يشآء "

(آپ بیتی جلد ۶ صد ۲۳)

مولانا عتیق احمد بستوی
استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

اُردو زبان و ادب پر
خانوادۂ شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور تحریک سیّد احمد شہیدؒ کے اثرات

سید احمد شہید کی تحریک حضرت سید احمد شہیدؒ کی تحریک دراصل اصلاح عقائد و معاشرت، احیاء سنّت ابطال شرک و بدعت کی تحریک تھی۔ جہاد اسلامی کا احیاء اور حکومت اسلامیہ کا قیام بھی اس تحریک کا ایک اہم نصب العین تھا یہ کوئی ادبی یا لسانی تحریک نہیں تھی۔ جس کا اولین مقصد زبان و ادب کی خدمت اور اس کی ترویج و ترقی ہو۔ لیکن جو تحریکیں تخیلات کی فضاؤں میں پرواز کرنے کے بجائے حیات و کائنات سے رشتہ استوار کرتی ہیں۔ حالات کا رخ موڑنے اور انسانی معاشرے میں انقلاب آفرینی کے لئے جدوجہد کرتی ہیں انہیں زبان و ادب کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ اپنے عہد کی زبان و اسلوب لہجہ اور ذریعۂ اظہار سے بے نیازی برت کر کوئی تحریک زیادہ کامیاب اور بارآور نہیں ہو سکتی۔ غالبًا اسی لئے اللہ جل شانہ نے ہر ملک اور قوم میں تبلیغ و دعوت کے لئے ایسے انبیاء کرام مبعوث فرمائے جو اس ملک و قوم کی نفسیات زبان و بیان، لہجہ و اسلوب سے پوری واقفیت رکھتے تھے۔ اور عصری اسلوب میں اپنی دعوت اور افکار کے اظہار پر پورے طور پر قادر تھے۔

سید احمد شہیدؒ کی تحریک اصلاح و جہاد تاریخ اسلام میں نمایاں اور ممتاز مقام رکھتی ہے براعظم ہند و پاک میں اصلاح عقیدہ و معاشرت، احیاء سنت اور ازالۂ بدعات و منکرات، جذبۂ جہاد و شوقِ شہادت بیدار کرنے میں اس تحریک کی خدمات بڑی دیرپا اور ناقابلِ فراموش ہیں۔ سید صاحب کی تحریک کا اولین سرچشمہ قرآن و سنت ہے۔ سید احمد شہید اور ان کے رفقاء نے قرآن و سنت کی روشنی میں برصغیر کے مسلم سماج کا بھرپور جائزہ لیا اور مسلمانانِ برصغیر کے عقائد و اعمال، اخلاق و معاشرت رسوم و تقریبات میں قرآن و سنت سے متصادم یا بے میل جو اجزا شامل ہو گئے تھے ان سے مسلمانوں کو پاک کرنے، مشرکانہ عقائد و اعمال کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکنے کے لئے جان و مال کی بازی لگا دی۔ سید احمد شہید نے مسلمانانِ ہند کی بے کسی اور مظلومیت دیکھ کر اور اپنی دینی ذمہ داری سمجھ کر خلافت علیٰ منہاج النبوۃ

کے قیام کے لئے جدوجہد تیز کردی۔ اور سر فروشی اور شوقِ شہادت سے برصغیر کی پوری فضا گرم کردی آخر کار معرکہ حق و باطل میں جام شہادت نوش فرمایا۔

سید احمد شہیدؒ کی تحریک بڑی طاقت ور اور انقلاب آفرین ثابت ہوئی۔ اس تحریک نے حالات کا رخ موڑ دیا۔ پورے برصغیر میں مسلمانوں کی زندگی میں انقلاب عظیم برپا ہوگیا۔ ایمان ولقین کی باد بہاری چلنے لگی۔ کروڑوں مسلمان غیر اسلامی زندگی سے تائب ہوکر سچے پکے مومن بن گئے۔ بے شمار غیر مسلموں کو قبول اسلام کی سعادت حاصل ہوگئی۔ جہاد و شہادت کے زمزموں سے ہندوستان کی فضا معمور ہو گئی۔ طاقت ور تحریکیں خواہ ان کا بنیادی نصب العین کچھ بھی ہو زندگی کے قیام کے تمام شعبوں کو متاثر کرتی ہے۔ پھر یہ کیسے ممکن تھا کہ سید احمد شہید کی تحریک اردو زبان و ادب پر اثر انداز نہ ہوئی۔ حالاں کہ اردو زبان میں برصغیر ہند و پاک کے باشندوں کی عوامی اور عمومی زبان تھی اور اسی زبان کی مدد سے ہندوستانی عوام سے رابطہ قائم کیا جاسکتا تھا۔

تحریک سید احمد شہید اور خانوادۂ ولی اللہی سید صاحب کی تحریک اصلاح و جہاد شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی خاموش تحریک کا امتداد اور اس کا نقطۂ عروج تھی۔ شاہ ولی اللہ صاحب کے تجدیدی کارناموں سے مسلمانانِ ہند کی دینی تاریخ کا ایک نیا باب شروع ہوتا ہے خانوادۂ ولی اللہی سے سید احمد شہید اور ان کی تحریک کے اکثر اہم رفقاء نے بھر پور کسب فیض کیا اور خانوادۂ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے اس تحریک کی مکمل سرپرستی فرمائی۔ اور اس تحریک کو جان سے زیادہ عزیز سمجھا۔ اس لئے سید احمد شہید کی تحریک پر ولی اللہی تحریک کے گہرے اثرات پڑے۔ اور خانوادۂ ولی اللہ کا ذوق و مزاج اس تحریک کے کارکنوں میں رچ بس گیا۔

شاہ ولی اللہ دہلوی اور زبان و ادب شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ عصری زبان و اسلوب میں دین کی تفہیم و تشریح کے زبردست داعی تھے انہوں نے اپنی تمام تصانیف میں معیاری زبان استعمال کی ہے۔ زبان و بیان، اسلوب و لہجہ کے اعتبار سے ان کی نگارشات ادب عالیہ کا بہترین نمونہ ہیں۔ اپنی مایۂ ناز تصنیف حجۃ اللہ البالغہ میں انہوں نے عربی زبان و ادب پر غیر معمولی دستگاہ اور قدرت کا ثبوت بہم پہنچایا ہے۔ اس کتاب میں غیر معمولی روانی و سلاست، حلاوت و رچاوٹ ہے۔ زورِ بیان اور ندرت اظہار حجۃ اللہ البالغہ کے نمایاں اوصاف ہیں۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے بقول عربی زبان کی علمی اور فنی کتابوں میں مقدمہ ابن خلدون کے بعد حجۃ اللہ البالغہ جیسا اسلوب بیان اور طرز نگارش کسی اور کتاب میں نظر نہیں آتا۔

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے عہد میں برّاعظم ہند و پاک کی علمی اور تصنیفی زبان فارسی تھی۔ فارسی زبان وادب میں شاہ صاحب کا مقام بلند محتاج بیان نہیں۔ شاہ صاحب کی فارسی تصانیف ہوں یا مکتوبات فارسی زبان وادب کے بلند ترین معیار پر پورے اترتے ہیں۔ ان کی تحریروں میں بلا کی حلاوت وچاوٹ، پختگی و سلاست ہے۔ ان کی تحریریں سہل ممتنع کی بہترین نمونہ ہیں۔ شاہ صاحب نے بصیرت ایمانی اور فرض شناسی کا ثبوت دیتے ہوئے فارسی زبان میں قرآن پاک کا ترجمہ اور اس پر مختصر تفسیری حواشی لکھے۔ شاہ صاحب کا یہ اقدام علمی اور مذہبی دنیا میں ایک انقلاب انگیز مجتہدانہ اقدام تھا۔ انہوں نے ترجمہ قرآن کی راہ سے علمائے ہند کے سامنے دین کی خدمت واشاعت کی ایک وسیع شاہراہ کھول دی۔ اور علمائے ہند کو اس بحث سے صدیوں پہلے فارغ کردیا کہ قرآن پاک کا ترجمہ کسی اور زبان میں جائز ہے یا نہیں؟ شاہ صاحب کا ترجمہ قرآن عربی فارسی دونوں زبانوں میں ان کی غیر معمولی قدرت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

شاہ صاحب کے دور میں اردو زبان اپنی نشو ونما کے ابتدائی مراحل طے کر رہی تھی۔ سیاسی سماجی اور معاشی تبدیلیوں کے نتیجے میں اردو زبان جو اب تک عوام اور پسماندہ طبقے کی زبان تھی خواص کی محفلوں اور امرا کے محلات میں بھی اپنی جگہ بنا رہی تھی۔ شاہ صاحب ایک علمی و اصلاحی تحریک لے کر اٹھے تھے۔ وہ اتنی اہم لسانی اور ادبی تبدیلی سے کس طرح آنکھیں بند کرسکتے تھے۔ انہیں اردو زبان کے ذریعہ دین کی تبلیغ واشاعت اور اپنی ہمہ جہت اصلاحی تحریک کے فروغ کے بڑے امکانات نظر آرہے تھے اس لئے انہوں نے اپنے صاحبزادوں کو اس طرف متوجہ کیا کہ اردو زبان وادب میں بھی کمال پیدا کریں۔ اور اردو ادب کے اساتذہ سے اس نوخیز زبان کے استعارے کنائے اور محاورے سیکھیں۔

سید ناصر نذیر فراق نے "لال قلعہ کی ایک جھلک" میں ذوق کے حوالہ سے لکھا ہے۔

> "شاہ عبدالعزیز صاحب اپنے والد ماجد کے حکم کے بموجب اردو زبان سیکھنے کے لئے خواجہ میر درد صاحب کی خدمت میں چھٹپن سے حاضر ہوتے تھے اور چپ چاپ بیٹھے ہوئے آپ کی تقریر سنا کرتے تھے۔ اور محاورات کو دل ہی دل میں چنا کرتے تھے۔ مولانا ولی اللہ صاحبؒ اپنے بچوں سے کہا کرتے تھے کہ جس طرح اصولِ حدیث اور اصولِ فقہ فن ہے اسی طرح اصولِ زبان بھی فن ہے۔ اور اردو زبان کے مجتہد خواجہ میر درد صاحب ہیں۔ آپ کی صحبت کو اس فن کے واسطے غنیمت سمجھو۔ کیونکہ خواجہ صاحب پکّے پان ہیں۔ چنانچہ شاہ عبدالقادر صاحب خاص طور پر میر درد صاحب کے شاگرد تھے۔" (لال قلعہ کی ایک جھلک صد ۶۴)

اردو زبان میں شاہ عبدالعزیز کا مقام

شاہ ولی اللہ کی تعلیم و تربیت اور فیض صحبت سے ان کے جانشین اور فرزند اکبر شاہ عبدالعزیز نے تمام علوم میں کامل دستگاہ پیدا کی۔ اپنے والد بزرگوار کی طرح علوم ادبیہ میں بھی کمال پیدا کیا۔ اعذار و امراض نے انہیں گھیر رکھا تھا۔ آخر میں بصارت بھی ختم ہو گئی تھی پھر بھی ان کا دریائے فیض پورے زور و شور کے ساتھ جاری تھا اور طالبانِ علوم برابر ان سے کسبِ فیض کر رہے تھے۔ تفسیر فتح العزیز اور تحفہ اثنا عشریہ ان کے امالی ہیں۔ باقاعدہ تصنیف نہیں ہیں۔ لیکن یہ دونوں کتابیں قوت تاثیر، حلاوت و سلاست میں ہزاروں باقاعدہ تصانیف پر بھاری ہیں۔ ان دونوں کتابوں کی علمی و تحقیقی قدر و قیمت سے قطع نظر ان کا ادبی مقام فارسی لٹریچر میں بہت بلند ہے۔ میرا اپنا خیال یہ ہے کہ کم از کم شیرینی و سلاست کے اعتبار سے شاہ عبدالعزیزؒ کی فارسی نثر حضرت شاہ ولی اللہ کی فارسی نثر سے بڑھی ہوئی ہے۔

شاہ عبدالعزیز نے اردو زبان میں کوئی تصنیفی یادگار نہیں چھوڑی۔ لیکن اردو زبان وادب میں شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا استاذانہ مقام اس بات سے عیاں ہے کہ جب استاذ ابراہیم ذوق کے کلام پر ان کے استاد شاہ نصیر نے اصلاح دینی چھوڑ دی تو انہوں نے شاہ عبدالعزیز کی طرف رجوع کیا۔

محمد حسین آزاد نے آب حیات میں لکھا ہے :-

" شاہ نصیر مرحوم نے دکن میں کسی کی فرمائش پر ۹ شعر کی ایک غزل کہی تھی، جس کی ردیف تھی "آتش و آب و خاک و باد" وہ غزل مشاعرے میں سنائی اور کہا اس طرح جو غزل لکھے اسے میں استاذ مانتا ہوں۔ دوسرے مشاعرے میں ذوق نے اسی پر غزل پڑھی۔ شاہ صاحب کی طرف سے بجائے خود اس پر اعتراض ہوئے۔ جشن قریب تھا شیخ ابراہیم ذوق علیہ الرحمۃ نے بادشاہ کی تعریف میں ایک قصیدہ اسی طرح میں لکھا مگر پہلے مولوی عبدالعزیز صاحب کے پاس لے گئے۔ کہ اس کی صحت و سقم سے آگاہ فرمائیں۔ انہوں نے سن کر پڑھنے کی اجازت دی۔ مگر ولی عہد بہادر نے اپنے شقہ کے ساتھ اسے پھر شاہ صاحب کے پاس بھیجا۔ انہوں نے جو کچھ کہا تھا وہی جواب میں لکھ دیا اور یہ شعر بھی لکھا ؎

بود بگفتۂ من حرف اعتراض چنان   کسے بدیدۂ بینا فرو برد انگشت

شیخ مرحوم کا دل اور بھی قوی ہو گیا اور دربار شاہی میں جا کر قصیدہ سنایا۔ اس کے بڑے چرچے ہوئے (آب حیات ص ۴۳۶)

شیخ محمد اکرم نے رود کوثر میں لکھا ہے:

آپ کی عظمت کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ نہ صرف امور مذہبی حدیث و تفسیر و فقہ میں آپ

کی رائے کو بڑی وقعت سے دیکھا جاتا تھا بلکہ ادبی معاملات میں بھی آپ کی رائے کو بڑی اہمیت تھی۔ چنانچہ ناظرین آبِ حیات کو یاد ہوگا کہ جب شاہ نصیر دہلوی نے ذوق کی غزل درست کرنے سے انکار کر دیا تو ذوق دہلی کے سب اساتذہ کو چھوڑ کر آپ ہی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور جب آپ نے اس کی غزل کے متعلق تسلی کر دی تو ذوق نے کسی اصلاح لئے بغیر بے دھڑک اس غزل کو مشاعرے میں پڑھا۔

ہفتہ میں دو بار حضرت شاہ صاحب عبدالعزیز کی مجلس وعظ منعقد ہوا کرتی تھی۔ ان مجالس وعظ کی افادیت و تاثیر کے بارے میں سر سید احمد نے آثار الصنادید میں لکھا ہے۔ ہفتہ میں دو بار مجلس وعظ منعقد ہوتی تھی اور شائقین صادق العقیدت و صافی نہاد خواص و عوام سے مور و ملخ سے زیادہ جمع ہوتے تھے اور طریقہ رشد و ہدایت کا استفاضہ کرتے۔ (آثار الصنادید صد ۱۴ باب چہارم)

شاہ صاحب کے یہ مواعظ اردو زبان میں ہوتے تھے کیونکہ اردو ہی عوام و خواص کی مشترک زبان تھی جس سے سماج کا ہر طبقہ مستفید ہو سکتا تھا۔ ان مواعظ کی زبان سادہ سلیس اور ٹکسالی ہوتی۔ ذوق جیسے اساتذۂ فن ان مجالس میں شریک ہو کر اردو کے محاورے سیکھتے۔

سید ناصر نذیر فراق نے لکھا ہے:۔

کون نہیں جانتا کہ حضرت شاہ نصیر صاحب دہلوی۔ اکبر شاہ ثانی اور ابو ظفر بہادر شاہ اور شیخ ابراہیم ذوق کے استاد تھے۔ جب شاہ نصیر کا ذوق سے دل کھٹا ہو گیا اور اصلاح موقوف ہوئی تو ذوق ہر جمعہ کو مولانا عبدالعزیز صاحب کے وعظ میں جانے لگے اور وعظ بہت غور سے سننے لگے۔ کسی دوست نے اس کا سبب پوچھا تو ذوق نے کہا۔

"استاذ مجھ گنہگار سے ناخوش ہو گئے ہیں۔ شعر و سخن میں اصلاح ملتی نہیں اس کا بدل میں نے یہ نکالا ہے کیونکہ مولانا عبدالعزیز صاحب اردو زبان دانی میں شاہ نصیر سے کم نہیں۔ ان کے بیان اور گفتگو کو سنتا ہوں اور اردو کے محاورے روزمرہ یاد کرتا ہوں"۔ (لال قلعہ کی ایک جھلک صد ۴۶ مطبوعہ اردو اکادمی دہلی)

اردو زبان پر شاہ رفیع الدین صاحبؒ کے اثرات ابھی اردو زبان کو گھٹنوں چلنا نہ آیا تھا اور اردو نثر ابتدائی مرحلے میں تھی کہ شاہ ولی اللہ کے صاحب زادگان نے اس نوخیز زبان میں دین کی تبلیغ و اشاعت اور مذہبی کتابوں کی تصنیف کا سلسلہ شروع کر دیا۔ اس تصنیفی سفر کا آغاز بھی کتنے مبارک کام سے ہوا۔ اس نوزائیدہ زبان کی خوش بختی دیکھئے کہ نشو و نما کے بالکل ابتدائی دور ہی میں اس کا سینہ قرآن حکیم کے معانی سے معمور ہو گیا۔ شاہ ولی اللہ کے صاحبزادگان شاہ رفیع الدین صاحب اور شاہ عبدالقادر صاحب نے

قرآن پاک کا ترجمہ اردو زبان میں کیا، اور قرآن کے لعل وجواہر کو اردو کا جامہ پہنایا۔

شاہ رفیع الدین صاحب (۱۱۶۳ھ - ۱۲۳۳ھ — ۱۷۵۰ء - ۱۸۱۸ء) شاہ ولی اللہ کے دوسرے صاحبزادے ہیں۔ موصوف بھی اپنے برادر بزرگ شاہ عبدالعزیزؒ کی طرح تمام علوم میں کامل دستگاہ رکھتے تھے۔ انہوں نے اپنے دوسرے بھائیوں کی طرح اپنے والد کا نام روشن کیا۔ اور ان کی دینی تحریک اور علمی روایت کو بہت آگے بڑھایا۔ انہیں عربی اور فارسی پر پورا عبور حاصل تھا۔ عربی میں متعدد بلند پایہ قصائد کے علاوہ اردو، عربی اور فارسی میں تقریباً بیس کتابیں ان کی یادگار ہیں۔ انہوں نے قرآن پاک کا لفظی ترجمہ کیا۔ انہوں نے یہ ترجمہ درسی نقطہ نظر سے اپنے ایک شاگرد کی درخواست پر کیا۔

تفسیر رفیعی کے دیباچہ میں ہے۔

" لکھتا ہے میر عبدالرزاق بن سید نجف علی خاں المعروف بہ فوجدار خان غفراللہ ولوالدیہ۔ کہ والد بزرگوار میرے نے بخدمت جناب عالم باعمل و فاضل بے بدل، واقف علوم معقول و منقول۔ خلاصہ متاخرین مولوی رفیع الدین رحمۃ اللہ علیہ کے عرض کیا تھا۔ کہ میں چاہتا ہوں کہ ترجمہ کلام اللہ تحت لفظی آپ سے پڑھ کر زبان اردو میں لکھوں۔ پھر آپ اس کو ملاحظہ فرما کر اصلاح دے کر درست فرما دیا کریں۔

چنانچہ آپ نے قبول فرمایا اور تمام کلام اللہ اسی طرح سے مرتب ہوا اور رواج پایا ہے۔ اسی صورت سے تفسیر سورۂ بقر کی بہ طور فائدوں کے تمام و کمال مفصل ومشرح لکھی تھی اور موسوم بہ تفسیر رفیعی کیا"

شاہ رفیع الدین صاحب کا ترجمہ قرآن لفظی ترجمہ ہے۔ اس لئے اس میں اردو جملوں کی ساخت نہیں آسکی انہوں نے قرآن کے ہر لفظ کے نیچے اردو کا مناسب ترین لفظ لکھ دیا ہے۔ وہ متن قرآن سے ذرہ برابر ادھر ادھر ہوئے۔ اس لفظی التزام کے باوجود ان کے ترجمہ میں ایسے الفاظ بہت مشکل سے ملیں گے جو عام فہم اور سادہ نہ ہوں۔ شاہ رفیع الدین کے ترجمہ قرآن سے اردو کی ترقی پذیری۔ اس کے ذخیرۂ الفاظ اور قوت اظہار کا پتہ چلتا ہے۔ سرسید نے شاہ رفیع الدین اور شاہ عبدالقادر کے تراجم پر اظہار خیال کرتے ہوئے لکھا ہے :-

" مولوی عبدالقادر صاحب کا اردو ترجمہ کلام اللہ کا اردو لغات کے لئے ایک بڑی سند ہے اور مولوی رفیع الدین صاحب کا ترجمہ تراکیب نحوی کے لئے ایک بہت بڑی دستاویز ہے"

ترجمہ قرآن سے اردو ذخیرہ الفاظ پر شاہ رفیع الدین کی وسیع و عمیق نگاہ کا تو پتہ چلتا ہے۔ لیکن ان کے اسلوب بیان اور طرز نگارش کا سراغ نہیں لگتا۔ کیونکہ ترجمہ قرآن میں انہوں نے لفظی ترجمہ کا التزام کیا اور اپنے کو متن قرآن کا تابع بنایا۔ تفسیر رفیعی میں انہوں نے لفظی پابندیوں سے آزاد ہو کر قرآن کے معانی و اسرار کی نقاب کشائی کی ہے۔ اس لئے ان کا اسلوب بیان اور طرز نگارش تفسیر رفیعی میں آئینہ ہو جاتا ہے تفسیر

رفیعی کا ایک اقتباس ملاحظہ کریں۔

"حق تعالیٰ نے حضرت آدم کو مکے کے پاس نعمان ایک میدان ہے اس میں پیدا کیا اور کئی دن زمین پر رکھا اور رزق بہشت سے بھیجا۔ یہ ہر جانوروں میں جوڑی دیکھتے تھے اور آپ تنہائی سے گھبراتے تھے۔ ایک بار جو سوئے دیکھا کہ ایک عورت میرے قسم کی میرے پاس بیٹھی ہے۔ بہت خوش ہوئے۔ جب آنکھ کھلی کچھ نہ پایا۔ وحشت ان کو زیادہ ہوئی۔ حق تعالیٰ نے جبرئیلؑ کو بھیجا اور انہوں نے ان کی بائیں پسلی کے نیچے چاک کیا۔ اور اس میں سے حضرت حوا کو کہ حق تعالیٰ کی قدرت سے پیدا ہوگئی تھیں نکال کر ان کے پاس بٹھا دیا۔ اور حق تعالیٰ نے حضرت حوا کا نکاح حضرت آدم سے باندھ دیا۔ پھر فرشتوں کو حکم کیا کہ ایک تخت پر دونوں کو بٹھا کر بہشت میں جا اتاریں جب بہشت میں گئے۔ تو حق تعالیٰ نے مالک بہشت کا کیا۔ تاکہ وہاں کے کارخانے دیکھ کر ویسے ہی زمین میں بنا دیں۔ اور ویسی خوبی کی نعمتیں کھانے میں اور پہننے میں تیار کریں۔ اور کتنی مدت غذا بے فضلہ اور بے محنت کھا کر قوت پکڑیں۔ لیکن جب ان کو بول و براز کی حاجت نہ تھی۔ ان اعضاء کی کچھ خبر نہ تھی۔ لیکن آزمائش کے واسطے ایک درخت کے کھانے سے منع کر دیا۔ اور حکمت رکھی کہ یہ زمین میں گناہ گار ہو کر اتریں تو بندگی میں اور ڈر میں رہیں نہ یہ کہ بسبب عزت خلافت کے دعویٰ خدائی کا کریں۔"

شاہ رفیع الدین صاحب کی یہ سادہ و سلیس اور رواں نثر کم و بیش دو صدی پہلے کی ہے جب کہ اردو نثر پاؤں چلنا سیکھ رہی تھی۔ اس دور تک اردو نثر میں گنتی کی چند کتابیں تھیں۔ وہ بھی لفظی صنعتوں اور قافیوں سے گراں بار، اور فارسی اسلوب نگارش کے دام میں اسیر، اٹھارہویں صدی ہجری میں میر حسین عطا خاں تحسین کی "نو طرز مرصع" جیسی نثر کا رواج تھا۔ جس میں رنگین زبان اور مصنوعی و پر تکلف طرز ادا اختیار کیا جاتا تھا۔ اردو نثر پر فارسی زبان کا مزاج حاوی تھا۔ شاہ ولی اللہ کے صاحبزادوں نے اپنی تفسیروں اور تحریروں کے ذریعہ اردو نثر کو ان تکلفات اور رسمیات کی بیڑیوں سے آزاد کیا۔ اردو نثر میں سلاست و روانی۔ سادگی و بے ساختگی، متانت و اختصار پیدا کیا۔ +

يٰأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ
حَقَّ تُقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ
إِلَّا وَأَنتُم مُّسْلِمُونَ ۝ وَاعْتَصِمُوا
بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا

O ye who believe! Fear God as He should be feared, and die not except in a state of Islam. And hold fast, all together, by the Rope which God stretches out for you, and be not divided among yourselves.

انتخاب: عبدالحی ابڑو اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد

دنیا کی بے ثباتی

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ایک اثر آفریں خطبہ

میں تمہیں دنیا سے ڈراتا ہوں، اس لیے کہ یہ بظاہر شیریں وخوشگوار، تر وتازہ وشاداب ہے۔ نفسانی خواہشات اس کے گرد گھیرا ڈالے ہوئے ہیں، وہ اپنی جلد میسر آجانے والی نعمتوں کی وجہ سے لوگوں کو محبوب ہوتی ہے اور اپنی تھوڑی سی (آرائشوں) سے مشتاق بنالیتی ہے، وہ (جھوٹی) امیدوں سے سجی ہوئی اور دھوکے اور فریب سے بنی سنوری ہوئی ہے، نہ اس کی مسرتیں دیرپا ہیں اور نہ اس کی ناگہانی مصیبتوں سے مطمئن رہا جاسکتا ہے۔ وہ دھوکے باز، ضرر رساں، ادلنے بدلنے والی اور فنا ہونے والی ہے، ختم ہوجانے والی اور مٹ جانے والی ہے، کھا جانے اور ہلاک کر دینے والی ہے۔ جب یہ اپنی طرف مائل ہونے والوں اور خوش ہونے والوں کی انتہائی آرزوؤں تک پہنچ جاتی ہے۔ تو بس وہی ہوتا ہے جو اللہ سبحانہ نے بیان کیا ہے، اس دنیاوی زندگی کی مثال ایسی ہے ——
"جیسے وہ پانی جسے ہم نے آسمان سے اتارا تو زمین کا سبزہ اس سے گھل مل گیا اور (اچھی طرح پھلا پھولا) پھر سوکھ کر تنکا تنکا ہو گیا جسے ہوائیں (ادھر سے ادھر) اڑائے پھرتی ہیں اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔" ——
جو شخص اس دنیا کا آرام پاتا ہے تو اس کے بعد اس کے آنسو بھی بہتے ہیں، اور جو شخص دنیا کی مسرتوں کا رخ دیکھتا ہے وہ مصیبتوں میں دھکیل کر اس کو اپنی بے رخی بھی دکھاتی ہے، اور جس شخص پر راحت و آرام کی بارشیں کے ہلکے ہلکے چھینٹے پڑتے ہیں اس پر مصیبت و بلا کی دھواں دھار بارشیں بھی ہوتی ہیں، یہ دنیا ہی کے مناسب حال ہے کہ صبح کو کسی کی دوست بن کر اس کا (دشمن سے) بدلہ چکائے اور شام کو یوں ہوجائے کہ گویا کوئی جان پہچان ہی نہ تھی، اگر اس کا ایک جنبہ شیریں وخوشگوار ہے تو دوسرا حصہ تلخ اور بلا انگیز۔ جو شخص بھی دنیا کی تر وتازگی سے اپنی کوئی تمنا پوری کرتا ہے تو وہ اس پر مصیبتوں کی مشقتیں بھی لاد دیتی ہے۔ جسے امن و سلامتی کے پروبال پر شام ہوتی ہے تو اسے صبح خوف کے پروں پر ہوتی ہے۔ وہ دھوکے باز ہے اور اس کی ہر چیز دھوکا، وہ خود بھی فنا ہوجانے والی ہے اور اس میں رہنے والا بھی فانی ہے۔ اس کے کسی زاد میں سوا زادِ تقویٰ کے کوئی بھلائی نہیں ہے۔ اس سے جو شخص کم حصہ لیتا ہے وہ اپنے لیے راحت کے سامان بڑھا لیتا ہے اور جو

دُنیا کو زیادہ سمیٹتا ہے وہ اپنے لیے تباہ کن چیزوں کا اضافہ کر لیتا ہے (حالانکہ) اسے اپنے مال و متاع سے بھی جلد ہی الگ ہونا ہے،

کتنے ہی لوگ ایسے ہیں جنہوں نے دنیا پر بھروسہ کیا اور اس نے انہیں مصیبتوں میں ڈال دیا اور کتنے ہی اس پر اطمینان کیے بیٹھے تھے جنہیں اس نے پچھاڑ دیا، اور کتنے ہی رعب و طنطنہ والے تھے جنہیں حقیر و پست بنا دیا اور کتنے ہی نخوت و غرور والے تھے جنہیں ذلیل کر کے چھوڑا۔ اس کی بادشاہی دست بدست منتقل ہونے والی چیز ہے۔ اس کا سرچشمہ گندلا، اس کا خوشگوار پانی کھاری، اس کی حلاوتیں ایلوا کے مانند تلخ ہیں۔ اس کے کھانے زہر ہلاہل اور اس کے اسباب و ذرائع کے سلسلے بودے ہیں۔ زندہ رہنے والا معرضِ ہلاکت میں ہے اور تندرست کو بیماریوں کا سامنا ہے۔ اس کی سلطنت چھن جانے والی، اس کا زبردست زیردست بننے والا، مالدار بدبختیوں کا ستایا ہوا اور ہمسایہ لٹا لٹایا ہوا ہے ــــ پھر اس کے بعد سکرات اور یوم جزا میں پیش ہونے کے مشکل مراحل درپیش ہوں گے "تاکہ اللہ برائی کرنے والوں کو ان کے عمل کا بدلہ دے اور ان لوگوں کو اچھی جزا سے نوازے جنہوں نے نیک رویّہ اختیار کیا ہے۔" (سورۃ النجم ۳۱)

کیا تم انہی سابقہ لوگوں کے گھروں میں نہیں بستے جو لمبی عمروں والے، پائیدار نشانیوں والے، بڑی بڑی امیدیں باندھنے والے، زیادہ گنتی و شمار والے اور بڑے لاؤ لشکر والے تھے؟ وہ دنیا کی کس کس طرح پرستش کرتے رہے اور اسے آخرت پر کیسا کیسا ترجیح دیتے رہے۔ پھر بغیر کسی ایسے زاد و راحلہ کے جو انہیں راستہ طے کر کے منزل تک پہنچاتا، چل دیئے، کیا تمہیں کبھی یہ خبر پہنچی ہے کہ دنیا نے ان کے بدلے میں کسی فدیہ کی پیشکش کی ہو یا انہیں کوئی مدد پہنچائی ہو یا اچھی طرح ان کے ساتھ رہی ہو؟ بلکہ اس نے تو ان پر مصیبتوں کے پہاڑ توڑے آفتوں سے انہیں عاجز و درماندہ کر دیا اور لوٹ لوٹ کر آنے والی زحمتوں سے انہیں جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر رکھ دیا اور ناک کے بل انہیں خاک پر پچھاڑ دیا اور اپنے کھروں سے کچل ڈالا اور ان کے خلاف حوادثِ زمانہ کا ہاتھ بٹایا

تم نے تو دیکھا ہے کہ جو ذرا دنیا کی طرف جھکا اور اسے اختیار کیا اور اس سے لپٹا تو اس نے (اپنے تیور بدل کر) ان سے کیسی اجنبیت اختیار کر لی یہاں تک کہ وہ ہمیشہ ہمیشہ کیلئے اس سے جدا ہو کر چل دیئے اور اس نے انہیں بھوک کے سوا کچھ زادِ راہ نہ دیا اور ایک تنگ جگہ کے سوا کوئی ٹھہرنے کا سامان نہ کیا اور سوا گھپ اندھیرے کے کوئی روشنی نہ دی اور ندامت کے سوا کوئی نتیجہ نہ دیا، تو کیا تم اسی دنیا کو ترجیح دیتے ہو یا اسی پر مطمئن ہو گئے ہو یا اسی پر مرے جا رہے ہو؟ ــــ ارشادِ خداوندی ہے: "جو لوگ بس اس دنیا کی زندگی اور اس کی خوش نمائیوں کے طالب ہوتے ہیں اُن کی کارگذاری کا سارا پھل ہم یہیں اُن کو دیدیتے ہیں اور اس میں اُن کے ساتھ کوئی کمی نہیں کی جاتی، مگر آخرت میں ایسے لوگوں کے لیے آگ کے سوا کچھ نہیں ہے (وہاں معلوم

ہو جائے گا کہ) جو کچھ انہوں نے دنیا میں بنایا وہ سب ملیا میٹ ہو گیا اور اب ان کا سارا کیا دھرا محض باطل ہے ۔" (سورۃ ہود : ۱۵، ۱۶) ——— جو دنیا پر بے اعتماد نہ رہے اور اس میں بے خوف وخطر ہو کر رہے ، اس کے لیے یہ بہت برا گھر ہے ۔

جان لو اور حقیقت میں تم جانتے ہی ہو کہ (ایک نہ ایک دن) تمہیں دنیا کو چھوڑنا ہے اور یہاں سے کوچ کرنا ہے ۔ اُن لوگوں سے عبرت حاصل کرو جو کہا کرتے تھے کہ ہم سے قوت و طاقت میں کون زیادہ ہے ، انہیں لاد کر قبروں تک پہنچایا گیا مگر اس طرح نہیں کہ انہیں سوار سمجھا جائے اُنہیں قبروں میں اتار دیا گیا مگر وہ مہمان نہیں کہلاتے ، پتھروں سے ان کی قبریں چُن دی گئیں اور خاک کے کفن ان پر ڈال دیئے گئے اور گلی سڑی ہڈیوں کو اُن کا ہمسایہ بنا دیا گیا ہے ، وہ ایسے ہمسائے ہیں کہ جو پکارنے والے کو جواب نہیں دیتے اور نہ زیادتیوں کو روک سکتے ہیں اور نہ رونے دھونے والوں کی پروا کرتے ہیں ، اگر بادل (جھوم کر) ان پر برسیں تو خوش نہیں ہوتے ، اور قحط آجائے تو اُن پر مایوسی نہیں چھا جاتی ، وہ ایک جگہ ہیں مگر الگ الگ ، وہ آپس میں ہمسائے ہیں مگر دُور دُور ، پاس پاس ہیں مگر میل ملاقات نہیں ، قریب قریب ہیں مگر ایک دوسرے کے پاس نہیں پھٹکتے ، وہ بردبار بنے ہوئے بے خبر پڑے ہیں ، ان کے بغض و عناد ختم ہو گئے اور کینے مٹ گئے ، نہ اُن سے کسی ضرر کا اندیشہ ہے نہ کسی تکلیف کے دور کرنے کی توقع ہے ——— ارشاد باری تعالےٰ ہے :
سو دیکھ لو اُن کے مسکن پڑے ہوئے ہیں جن میں ان کے بعد کم ہی کوئی بسا ہے آخر کار ہم ہی وارث ہو کر رہے " ——— انہوں نے زمین کے اوپر کا حصہ اندر کے حصے سے اور کشادگی اور وسعت تنگی سے اور گھر بار پردیس سے اور روشنی اندھیرے سے بدل لی ہے ، اور جس طرح ننگے پیر اور ننگے بدن پیدا ہوئے تھے ویسے ہی زمین میں (پیوندِ خاک ہو گئے اور اس دُنیا سے صرف عمل لے کر ہمیشہ کی زندگی اور سدا رہنے والے گھر کی طرف کوچ کر گئے ، جیسا کہ اللہ سبحانہ و تعالےٰ نے فرمایا ہے : کما بدأنا اول خلق نعیدہ ۔ وعدًا علینا انا کنا فاعلین ۔ " جس طرح ہم نے مخلوقات کو پہلی دفعہ پیدا کیا تھا اُسی طرح دوبارہ پیدا کریں گے ، اس وعدہ کو پورا کرنا ہمارے ذمہ ہے اور ہم اسے ضرور پورا کر کے رہیں گے " ۔

مولانا عبدالقیوم حقانی

ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہانپوری کے مساعی علمی پر ایک نظر

مطبوعاتِ مولانا آزاد صدی کے حوالے سے

ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہان پوری ایک خاص علمی، تاریخی، سیاسی ذوق کی شخصیت ہیں حکیم الہند شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے عہد ـــ اٹھارویں صدی عیسوی کے آغاز سے لیکر بیسویں صدی کے وسط (۱۹۴۷ء) تک کی تاریخ ملی اور اس کی تحریکات و شخصیات ان کا خاص موضوع ہے اور اس میں شیخ الہندؒ مولانا محمود الحسن، امام الہند مولانا ابوالکلام آزادؒ امام انقلاب مولانا عبیداللہ سندھی اور شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی (رحمہم اللہ) سے انہیں خاص عقیدت ہے اور بھی بزرگ اور ان کے علمی، سیاسی کارنامے اور ملی خدمات ان کا خاص علمی و تحقیقی موضوع ہے۔ ۱۹۸۶ء کے ہنگامہ اورنگی ٹاؤن (کراچی) میں ان کی لائبریری اور بہت بڑا علمی ذخیرہ تباہ ہوگیا تھا اور تحقیق و تصنیف کے تمام جاری کام معطل ہو کر رہ گئے تھے لیکن انہوں نے ہمت نہ ہاری اور زندگی کا از سر نو سروسامان فراہم کیا اور کاروانِ علم و تحقیق پھر رواں دواں ہوگیا۔ ان کی تصنیفات و تالیفات اور ترتیب و تدوین کے کاموں کی تعداد چالیس سے کم نہ ہوگی۔ لیکن ہم یہاں صرف "مولانا آزادؒ صدی کے حوالے سے" ان کے تصنیف و تالیف کا ذکر، تعارف کرانا چاہتے ہیں۔

۱۹۸۸ء کو مولانا آزاد کے سو سالہ پیدائش کے سال کے طور پر منانے کے چرچے ہوئے تو ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہانپوری نے اس تقریب کی مناسبت سے چوبیس کتابوں کے ایک سیٹ کی اشاعت کا فیصلہ کیا تھا، انہوں نے نہایت پُر مصائب اور ہمت شکن حالات میں بھی نہایت ثابت قدمی کے ساتھ اس منصوبے کو کامیاب بنانے کی کوشش کی۔ اس سلسلے میں اب تک تئیس کتابیں چھپ چکی ہیں، چوبیسویں کتاب زیرِ اشاعت ہے امید ہے کہ جب تک یہ مضمون شائع ہوگا منصوبے کی آخری کتاب بھی شائقین کے ہاتھوں میں پہنچ چکی ہوگی مطبوعاتِ آزاد صدی میں تین طرح کی کتابیں شامل ہیں:۔

(الف) مولانا آزاد کی کتابیں (ب) مولانا آزاد پر کتابیں (ج) مولانا آزاد کی یاد میں کتابیں

ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ "الحق" میں موصوف کی بعض کتابوں کا مختصر تعارف اور تبصرہ شائع کر دیا جائے،

اس کے دو مقصد ہیں :-

(الف) قارئینِ الحق اور شائقینِ علم کو مطبوعات آزاد صدی کا علم ہو جائے اور علمی تاریخ میں اس ذریعے سے علمی لٹریچر کا جو اضافہ ہوا ہے اس کی تاریخی و سیاسی اہمیت کا اندازہ ہو جائے۔

(ب) ڈاکٹر ابو سلمان شاہجہانپوری کی علمی و مطالعاتی زندگی کے سلسلے میں ان کے ذوقِ علمی کی کہانی اور تصنیف و تالیف میں ان کی خدمات کا ایک باب بھی مکمل ہو جائے جو قارئینِ "الحق" کا ایک پسندیدہ موضوع رہا ہے۔

اس سلسلۂ تعارف و تبصرہ میں کتابوں پر جو نمبر ڈالا جائے گا وہی مطبوعاتِ آزاد صدی کا نمبر ہے۔

(۱) مولانا ابوالکلام آزادؒ (شخصی مطالعہ) از ڈاکٹر شیر بہادر خان پنیؒ۔ صفحات ۱۲۲۔ قیمت -/۳۵ روپے

مولانا آزادؒ کی شخصیت، سیرت، علمی و سیاسی مقام و خدمات پر ڈاکٹر پنی مرحوم کا مطالعہ و تاثرات، مؤلف کے حالات و سوانح، علمی خدمات اور مولانا آزاد سے اُن کی عقیدت و ارادت کی حکایت پر مشتمل مقدمہ ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہانپوری کے قلم سے ہے۔ چونکہ "الحق" میں اس کتاب پر تبصرہ چھپ چکا ہے اس لیے دوبارہ اس کے تفصیلی ذکر سے صرفِ نظر کی جاتی ہے۔

(۲) امام الہند مولانا آزادؒ از مولانا امداد صابری۔ صفحات ۳۰۴۔ قیمت -/۷۵ روپے

مولانا ابوالکلام آزاد پر بہت سی کتابیں شائع ہو چکی ہیں لیکن وہ سب مولاناؒ کی زندگی کے کسی خاص دور یا ان کی شخصیت یا فکر و خدمات کے کسی خاص پہلو پر ہیں۔ مولاناؒ کی مکمل سوانح عمری جو اُن کے خاندان کے تعارف اور ان کی پیدائش و تعلیم و تربیت سے لے کر آخری سفرِ حیات اور ان کے اخلاق و کردار اور سیاسی افکار و خدمات کی جامع ہو۔ یہی کتاب ہے جس کے مؤلف مولانا امداد صابری ہیں۔ عنوان تالیف کے نیچے مندرجہ ذیل الفاظ میں کتاب کا تعارف کرایا گیا ہے :-

"مولانا ابوالکلام آزاد کے سوانح حیات، شخصیت و سیرت اور خدمات کا دلآویز تذکرہ"

کتاب کے مطالب کو ایک مقدمہ اور چودہ ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے، ابواب کے عنوانات یہ ہیں :-

"خاندان[۱]، پیدائش و تعلیم[۲]، شاعری[۳]، صحافت[۴]، اہتلا[۵]، رانچی[۶] کی نظربندی، تحریکِ[۷] خلافت اور ترکِ موالات، حضرت[۸] مولانا کی گرفتاری اور ان کا عدالتی بیان ردِّ قولِ فیصل، تحریکِ[۹] خلافت کا خاتمہ، تحریکِ[۱۰] اصلاح و تطہیرِ حجاز، قید[۱۱] و بند کی زندگی، سفرِ آخرت[۱۲]، فضائل[۱۳] و محاسن، ذوقِ عبادت در یا ضت اور آخری باب (۱۴) کا عنوان مولانا کی اہلیہ کے تعلق سے "زلیخائے ہند" ہے۔"

مولانا امداد صابری ایک کثیر التصانیف بزرگ تھے۔ مولانا آزاد سے ان کے ذاتی تعلقات بھی تھے اور وہ ان کا علمی موضوع بھی تھے۔ ذاتی تعلقات کی بناء پر معلومات کا بیش بہا خزانہ ان کے پاس تھا، انہوں نے اس کتاب

کی تالیف میں اپنے ذاتی مشاہدہ و معلومات اور مطالعہ سے پورا فائدہ اٹھا کر اسے ایک نہایت مفید، پُر از معلومات اور فکر انگیز کتاب بنا دیا ہے۔

کتاب کا مقدمہ ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہانپوری کے قلم سے ہے، اس میں انہوں نے نہ صرف مولانا امداد صابری کے حالات، شخصیت اور علمی خدمات پر خالی رہے بلکہ دہلی کی علمی و تہذیبی اور انسانی روایات پر بھی دل نشین انداز میں روشنی ڈالی ہے۔

(۳) اردو کا ادیب اعظم | از مولانا عبدالماجد دریابادی — صفحات ۱۶۰ — قیمت ۔/۴۰ روپے

مولانا ابوالکلام آزاد کے بارے میں مولانا دریابادی کے مضامین، تقاریر، ریڈیائی شذرات، تبصرے، اور مؤلف کے نام مولانا آزاد کے خطوط کا نادر مجموعہ۔ تالیف و تدوین ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہانپوری کی ہے انہوں نے اس کتاب پر مقدمہ بھی لکھا ہے۔ اس کتاب پر تبصرہ پیشتر ازیں "الحق" میں چھپ چکا ہے۔

(۴) خطوط ماجدی | از مولانا عبدالماجد دریابادی — صفحات ۲۷۲ — قیمت ۔/۶۶ روپے

مولانا عبدالماجد دریابادی اردو کے بہترین ادیب اور بلند پایہ انشاء پرداز تھے، ان کی زندگی افکار و اعمال کے مختلف نشیب و فراز سے گذری تھی، وہ زندگی کے آخری دور تک ان نشیب و فراز کے حوادث سے دوچار رہے۔ ان کے خطوط ان کی زندگی کے حوادث و افکار کا آئینہ ہیں جس میں اُن کی سیرت اور افکار کے بہترین خصائص کے علاوہ بعض کمزوریوں اور ناپسندیدہ افکار و احوال کو بھی دیکھا جا سکتا ہے۔ اس میں ایسے علمی نکتے، لسانی معلومات، تہذیبی افکار اور ادب و انشاء کے ایسے شہ پارے اور فکر انگیز خیالات بھی ہیں جو شاید کسی اور جگہ مشکل سے اور کم نظر آئیں۔

یہ کتاب ایک سو چالیس اہلِ علم اور اصحابِ قلم کے نام مولانا دریابادی کے تین سو خطوط اور دو درجن سے زیادہ کتابوں، رسالوں یا بعض اکابر اہلِ علم کی برسیوں کے حوالے سے پیغامات کا مجموعہ ہے، اتنے اہلِ علم کے نام اتنی بڑی تعداد میں گوناگوں خصوصیات کا کوئی اور مجموعہ، مولانا دریابادی کے خطوط کا کوئی مجموعہ پاکستان یا ہندوستان سے شائع نہیں ہوا۔ اس میں مولانا دریابادی کی دوسری شادی کا واقعہ خود ان کے اپنے خطوط کی روشنی میں اپنے پس منظر اور پیش منظر کے ساتھ پہلی بار پوری طرح سامنے آیا ہے۔ یہ اُن کی سیرت کا ایسا واقعہ ہے جس پر نہ صرف ان کے ناقدین نے نکتہ چینی کی تھی بلکہ ان کے مخلصین نے بھی اسے ناپسند کیا تھا۔

مولانا دریابادی کے یہ خطوط ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہانپوری نے مرتب کیے ہیں، ان پر جا بجا مفید حواشی لکھے ہیں اور مکتوب نگار کی شخصیت، علمی خدمات اور ان کی خطوط نگاری اور اس مجموعے کے خطوط کے مضامین کے محاسن کے بیان میں مفصل مقدمہ تحریر کیا ہے۔ مطبوعاتِ آزاد صدی کے سلسلے میں اس مجموعۂ خطوط کی اشاعت نہ صرف

مولانا آزاد کے ایک دوست کی یادگار کا عمدہ طریقہ ہے بلکہ یہ ایک بڑی علمی اور ادبی خدمت بھی ہے۔

(۵) **ابوالکلام آزاد** | مرتبہ: عبداللہ بٹ ــــ صفحات ۱۵۲ ــــ قیمت ۴۰/- روپے

عبداللہ بٹ مرحوم اردو کے مشہور ادیب، صحافی اور مولانا آزاد کے خاص عقیدتمندوں میں سے تھے اگست ۱۹۴۲ء میں مولانا آزاد کی گرفتاری کے بعد ملک میں ان کے حالات سے واقفیت اور ان کے افکار و سیرت کے مطالعے کا ایک خاص دور شروع ہوا تھا۔ اس وقت عبداللہ بٹ نے مولانا کے مضامین و مقالات کے دو مجموعوں کے علاوہ اردو اور انگریزی میں مولانا آزاد پر اہلِ علم اور اصحابِ سیاست کے مقالات کے دو مجموعے بھی مرتب کیے تھے۔ زیرِ نظر اردو مجموعے کے لکھنے والوں میں مرتب کے علاوہ پنڈت جواہر لال نہرو، علامہ سید سلیمان ندوی، نصر اللہ خان عزیز، خواجہ حسن نظامی، چراغ حسن حسرت، جان گنتھر، ڈاکٹر سید عبداللہ، کامریڈ یوسف علی مہر، سجاد انصاری، مہادیو ڈیسائی، ڈاکٹر عبدالقوی لقمان، ضیاء الحسن علوی، مولانا محمد حنیف ندوی اور کئی دوسرے اہلِ قلم شامل ہیں۔ اس مجموعے کے مطالعے سے مولانا آزاد کے بارے میں ایک عظیم علمی، تہذیبی، روشن خیال، بلند فکر اور صاحبِ نظر و تدبر شخصیت کا نقش ذہن کے پردے پر ابھرتا ہے۔ پہلی بار یہ مجموعہ ۱۹۴۳ء میں شائع ہوا تھا، اب اس کا آزاد صدی ایڈیشن ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہان پوری کی تصحیح اور بعض اہم اضافوں کے ساتھ شائع ہوا ہے۔ اضافوں میں عبداللہ بٹ مرحوم کے مختصر حالاتِ زندگی، ان کی علمی خدمات کا تذکرہ، مرتب کے نام مولانا آزاد کے یادگار خطوط اور ضروری مطالب پر مشتمل پیش لفظ (آزاد صدی ایڈیشن) شامل ہے۔

(۶) **آسپکٹس آف ابوالکلام آزاد** | مرتبہ: عبداللہ بٹ ــــ صفحات ۱۳۸ ــــ قیمت ۴۰/- روپے

مولانا آزاد کی شخصیت، علمی و ادبی خدمات، سیاست و تدبر میں ان کے بلند مقام کے تعارف میں انگریزی مضامین کا مجموعہ جو فاضل مرتب نے ۱۹۴۳ء میں شائع کیا تھا۔ اس مجموعے کے بیشتر لکھنے والے وہی حضرات ہیں اور ان کے وہی مضمون ہیں جو اردو مجموعے کے ہیں۔ پنڈت جواہر لال نہرو، جان گنتھر، مہادیو ڈیسائی وغیرہ کے مضامین انگریزی میں تھے، اس لیے اس اصل مجموعے میں اور ان کا ترجمہ اردو مجموعے میں شامل تھا۔ دوسرے اہلِ قلم کے مضامین اردو میں تھے ان کا انگریزی ترجمہ زیرِ نظر مجموعے میں شامل ہے۔ پیشِ نظر آزاد صدی ایڈیشن میں ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہانپوری کے قلم سے مولانا آزاد کے خصائصِ سیرت، محاسنِ فکر و نظر اور علم، ادب، مذہب، صحافت، سیاست کے میدان میں ان کے حسنِ خدمات کے تذکرے ہیں "مولانا ابوالکلام آزاد" کے عنوان سے مقدمہ ہے۔ اس ایڈیشن کی ایک خاص بات یہ بھی ہے کہ آخر میں اسکے مضمون نگاروں پر مختصر سوانحی نوٹس بھی ہیں۔ اول و آخر کے ان اضافوں نے اس ایڈیشن کی اہمیت کو بہت بڑھا دیا ہے۔

(۷) **مولانا ابوالکلام آزاد ــ شخصیت، سیرت اور علمی و عملی کارنامے** | از مولانا سعید احمد اکبرآبادی ــ صفحات ۱۲۸ ــ قیمت ۴۰/- روپے

یکے از بانیان ندوۃ المصنفین، اس کے رفیقِ علمی اور اس کے علمی ترجمان ماہنامہ "برہان" دہلی کے فاضل ایڈیٹر مولانا سعید احمد اکبر آبادی کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ وہ مولانا آزاد کے معتقد، ان کے علمی کام کے معترف اور اُن کی سیرت وخدمات کے مدّاح تھے انہوں نے مولانا آزاد کی شخصیت، سیرت اور علمی خدمات پر مقالے لکھے۔ برہان کے "نظرات" میں مولانا کے افکار پر متعدد بار اظہارِ خیال کیا۔ متعدد مسائل میں مولانا آزاد کے فکر، انداز اور اصابتِ رائے کے حوالے دیئے۔ مولانا کی تصنیفات پر مولانا سے متعلق دوسرے اہلِ علم کی تصنیفات وتالیفات پر تبصرے لکھے۔ بعض معاصرین کو مولانا کے متعلق بعض غلط فہمیوں کے ازالے کیلئے خطوط لکھے اور لاہور کی ایک علمی مجلس میں مولانا آزاد کی شخصیت، سیرت اور ان کے علمی، ادبی، مذہبی وسیاسی کارناموں کے تعارف میں ایک مفصل اور فکر انگیز خطاب فرمایا تھا۔ مولانا اکبر آبادی کی یہ تمام تحریرات وافادات کو ڈاکٹر شاہجہانپوری نے نہایت سلیقے سے مدوّن کر کے ایک عمدہ تالیف کے سانچے میں ڈھال دیا ہے اور مولانا اکبر آبادی مرحوم کی شخصیت اور ان کی علمی خدمات کے تعارف میں بھی ایک مضمون لکھ کر بطورِ مقدمہ اس مجموعے میں شامل کر کے کتاب کی افادیت کے دائرے کو وسیع کر دیا ہے۔

(۸) ابوالکلام وعبدالماجد (ادبی معرکہ) | مُرتّب ومؤلف: ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہانپوری صفحات ۴۴ قیمت ۴۵/ر

الہلال ۱۹۱۲ء میں "خط وکرب" کے ترجمے کے سلسلے میں مولانا آزاد اور مولانا عبدالماجد دریابادی کے مابین ایک معرکہ آرا بحث چھڑ گئی تھی، جس میں ان دونوں بزرگوں کے علاوہ علامہ سید سلیمان ندوی، مولانا عبداللہ عمادی، ابوالکلام محمد عبدالوہاب، اکبر آبادی وغیرہ اہلِ زبان اور اصحابِ فن بھی کسی نہ کسی طرح شامل ہوگئے تھے اس ادبی معرکہ و مذاکرہ میں ادب، لغات، لسانیات اور اصولِ تالیف وترجمۂ اصطلاحات کے سلسلے میں ایسے ایسے علمی نکات اور اصول وفن کے ایسے نادر مباحث سامنے آئے کہ شاید ہی کسی اور جگہ مطالعے میں آئیں۔ ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہانپوری نے تمام مباحث کو نہ صرف نہایت سلیقے سے مرتب کر دیا ہے بلکہ اس پر اپنے مفصل مقدمے میں محاکمہ بھی کیا ہے۔ شاہجہانپوری صاحب اگرمولانا آزاد کے بہت معتقد ہیں لیکن اس محاکمے میں ان کا قلم نہ کسی جگہ جادۂ اعتدال سے ہٹا ہے اور نہ ان کے ذوقِ سلیم نے بحث کو غیر متعلق گوشوں میں پھیلنے دیا ہے۔ یہ کتاب مولانا آزاد کے عقیدتمندوں کے علاوہ لغات، لسانیات اور اصولِ تالیف وترجمۂ اصطلاحات کے مسائل کا خاص ذوق رکھنے والوں کے لیے بھی ایک نادر علمی تحفہ ہے۔

حافظ محمد ابراہیم فانی

بابری مسجد

بابری مسجد ہے محوِ نالہ و فریاد آج   عظمتِ رفتہ کی آتی ہے اسی کو یاد آج
ہے اسی کے سامنے دورِ ستم ایجاد آج   ہے گوارا کیسے مسلم کو یہی بیداد آج

چند ہندو آج اس کے گنبدوں پر چڑھ گئے
ہاتھ کچھ ناپاک اس معبد کی جانب بڑھ گئے

مسلمِ ہندی اسی پر مر مٹا پروانہ وار   سرفروشوں کی قطاریں لگ گئیں دیوانہ وار
اس کے ناموس و تقدس پر لڑے مردانہ وار   حاکمانِ عالمِ اسلام بھی بیگانہ وار

دیکھتے تھے یہ تماشا غافل و مدہوش تھے
قتلِ مسلم اور گشت و خون پر خاموش تھے

ساکت و جامد رہی یہ مجلسِ اقوام تک   برہمن کو اُف نہ بھیجا دُکھ بھرا پیغام تک
غیرتِ حق سے ہے عاری عالمِ اسلام تک   اس میں جرأت ہی نہیں ظالم کو دے الزام تک

یا خدا جذبہ نہیں اب قوم میں ایمان کا
پھر بنا مسلم کو حامل عظمتِ قرآن کا

بیتِ مقدس ہو کہ اقصیٰ ہو کہ مسجدِ بابری   ان کی رفعت پر ہے شاہد گنبدِ نیلوفری
ہمسری کے مدعی ہیں اب بُتانِ آزری   درپئے آزار ان کی آج سحرِ سامری

دشمنِ دیں ہے یہودی اور ہندو سامراج
یا خداوندا تُو رکھ لے ملتِ بیضا کی لاج

کہتے ہیں یہ رام کی ہند و جنم بھومی رہی   اُس وقت جب شاہِ بابر کی یہاں شاہی رہی
اس کو حاصل ہند میں ہر طرح آزادی رہی   یہ جگہ بس اس کی نظروں میں کھٹکتی ہی رہی

اس نے ڈھایا اس دھرم کو ایک مسجد کے لیے
کوہِ غم توڑا ہمیں پر اپنی معبد کے لیے

کیا ضرورت شہ ظہیر الدین کو آخر پڑی   جس نے مندر کو یوں توڑا اور یہ حرکت بھی کی
کیوں زمیں کے واسطے اس کو کمی دولت کی تھی   عقل آمادہ نہیں اس بات پر ہوتی کبھی

یہ تو فانی شاہِ مسلم پر ہے بہتانِ جلیل
پیش کر سکتے نہیں تاریخ سے اس پر دلیل

۳۱ مارچ ۱۹۹۱ء

نئی کارمینا نظامِ ہضم کی اصلاح کے لیے زیادہ پُرتاثیر

انسان کی تن دُرستی کا زیادہ تر انحصار معدے اور جگر کی صحت مند کارکردگی پر ہے۔ اگر نظامِ ہضم درست نہ ہو تو دردِ شکم، بدہضمی، قبض، گیس، سینے کی جلن، گرانی یا بھوک کی کمی جیسی شکایات پیدا ہو جاتی ہیں جس کے سبب غذا صحیح طور پر جُزوِ بدن نہیں بنتی اور صحت رفتہ رفتہ متاثر ہونے لگتی ہے۔

پاکستان اور دنیا کے بہت سے ممالک میں ہمدرد کی کارمینا پیٹ کی خرابیوں کے لیے ایک مؤثر نباتی دوا کے طور پر شہرت رکھتی ہے۔ چونکہ یہ ہر گھر کی اہم ضرورت ہے اس لیے ہمدرد کی تجربہ گاہوں میں اس کی افادیت پر ہمہ وقت تحقیق و تجربات کا عمل جاری رہتا ہے۔ نئی کارمینا اسی تحقیق کا حاصل ہے۔ نئی کارمینا کو پودینے کے جوہر اور دیگر مفید و مؤثر اجزا کے اضافے سے زیادہ قوی، پُرتاثیر اور خوش ذائقہ بنا دیا گیا ہے۔
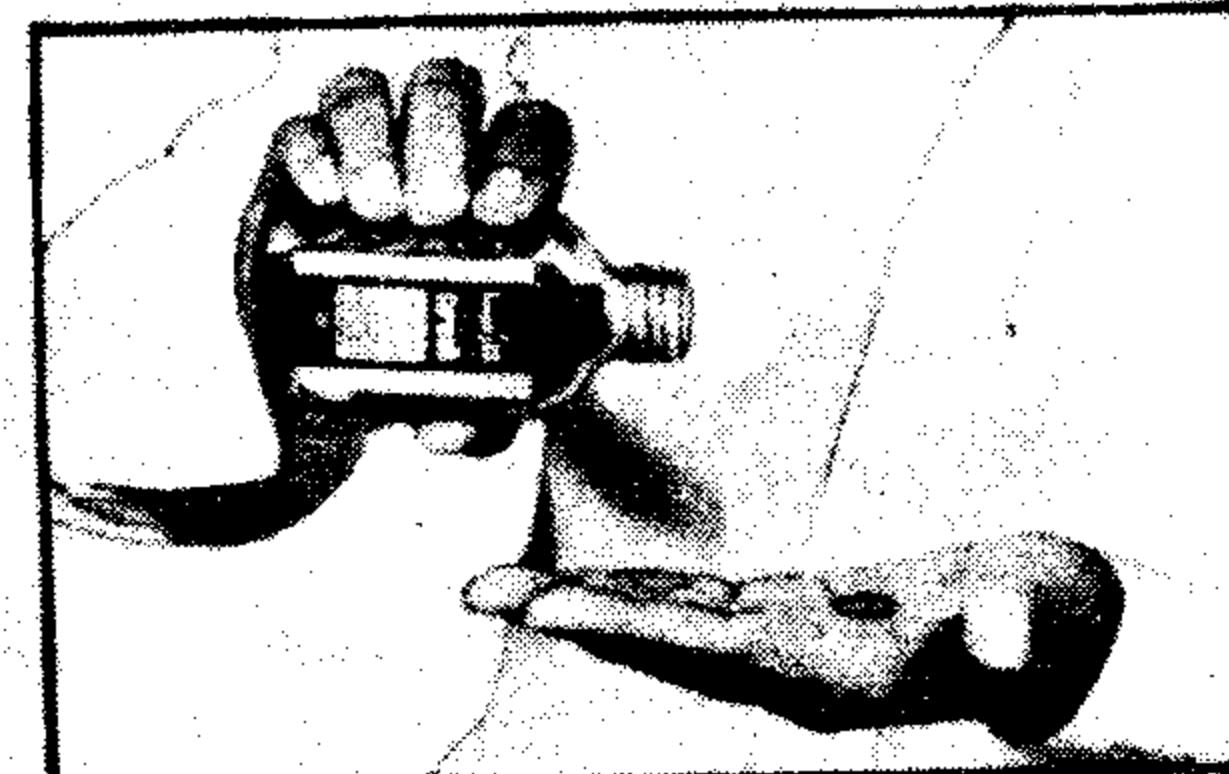
نئی کارمینا نظامِ ہضم کو بیدار کرنے، معدے اور آنتوں کے افعال کو منظم و دُرست رکھنے میں زیادہ کارگر ہے۔

بچوں بڑوں سب کے لیے مفید **نئی کارمینا** ہمیشہ گھر میں رکھیے

ہم خدمتِ خلق کرتے ہیں

اداراخلاق

تحقیق رُوحِ تخلیق ہے

CAR- 4/88